ازالۂ شبہات

از

مسئلہ عشر و زکوٰۃ

عبدالصمد رحمانی

مطبوعہ برقی مشین پریس مراد پور، پٹنہ
قیمت ـ

ہندوستان اور مسئلہ امارت

اس کے متعلق علماء کرام کی رایوں میں سے چند رائیں حسب ذیل ہیں

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی برادر عزیز مولوی عبد الصمد صاحب رحمانی نے مولانا ابو المحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش سے اس بحث پر عالمانہ رسالہ اس غرض سے لکھا ہے کہ لوگوں کے اوہام و شکوک دور ہوں اور حقیقت کا منظر جلوہ طراز ہو۔ مصنف موصوف ماشاء اللہ فقہی مسائل میں بصیرت رکھتے ہیں اور تفقہ فی الدین کی دولت خداداد سے بھی سرفراز ہیں۔ میں نے انکے رسالہ کو بغور پڑھا اور اپنے مقصد میں اس کو کامیاب پایا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی پروفیسر جامعہ عثمانیہ دکن۔ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی کو خدا جزاء خیر دے انھوں نے ایک باضابطہ تصنیفی شکل میں اس بدیہی اور قطعی متواتر مسئلہ کے منبہات جمع کر دیے ہیں۔ مقصد استدلال نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ کی بداہت کے وجوہ کو ظاہر کرنا ہے کہ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔ حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ فقہاء امت بھی یہی کہتے ہیں۔ تاریخ کی بھی یہی شہادت ہے کہ بغیر امیر کے مسلمانوں کی زندگی اسلامی زندگی کے اہم ترین فریضہ سے خالی ہے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ مدرس مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد مصنف کتاب حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی، ہمدرد ملت وسیع النظر اور صوبہ بہار کے مشہور جلیل القدر عالم ہیں، آپ نے اس مسئلہ کی اہمیت کو پوری طرح محسوس فرماتے ہوئے یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ قرآن پاک احادیث مقدسہ تصریحات فقہاء فتاوی علماء اور تاریخی واقعات کی روشنی میں آپ نے مفصل اور مدلل طور پر عالمانہ انداز میں اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے۔ کوتاہ نظری یا کج فہمی کی بناء پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں انکے کافی اور وافی جوابات دیے ہیں غرض ہر ایک حیثیت سے ایک جامع تصنیف ہے جو مسائل باب کے متعلق تمام پہلوؤں کو اجاگر کر دیتی ہے۔ خداوند عالم مولانا کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور عام مسلمانوں کو استفادہ اور عمل کی توفیق بخشے۔ قیمت فی جلد عصر

ملنے کا پتہ

(مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ (صوبہ بہار)

فہرست مضامین ازالۂ شبہات از مسئلہ عشر و زکوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

(از حضرت الحاج مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی خانقاہ مونگیر)

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

اما بعد

استاذی حضرت مولنا عبد الصمد صاحب رحمانی مدظلہ کی تصنیف "کتاب العشر والزکوۃ" جن اہم دینی اور اسلامی مسائل پر مشتمل ہے۔ وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ یوں تو سوائے وحی الٰہی کے کسی مصنف اور کسی تالیف کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہر طرح کی انسانی لغزشوں سے پاک ہے۔ اور اس عام اصول سے زیر بحث تصنیف بھی علحدہ نہیں، لیکن سوال کتاب کے بنیادی مسائل اس کے استدلالات اور مسائل کی تشریح وتعبیر سے ہے، سو الحمد للہ پورے اطمینان اور وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت مصنف اس معاملہ میں سو فیصدی کامیاب ہیں۔ اور یہی تو وجہ ہے، کہ ہندوستان کے ان علما نے جو دینی مسائل میں حجۃ وسند ہیں

کتاب پر اپنی رائے لکھی ہے اور مندرجہ مسائل کی تصدیق اور توثیق فرمائی ہے۔

لیکن شبہات کو کیا کیجیے، وہ تو پیدا ہونے کی چیز ہی ہیں اور پیدا ہوتے ہی رہیں گے، چنانچہ اس کتاب پر اس طرح کا سب سے پہلا تبصرہ معارف میں مولٰنا سید ریاست علی صاحب ندوی کے قلم سے شائع ہوا اور کچھ دنوں کے بعد راقم سطور کے مطالعہ سے گزرا۔ اتفاقاً اس کے بعد حضرت مولٰنا عبد الصمد صاحب رحمانی سے نیاز حاصل ہوا۔ تبصرہ کا ذکر نکلا تو میں نے مشورہ دیا، کہ یہی بہتر ہے کہ آپ اس طرح کے تبصرہ کا جواب نہ دیں۔

میرا خیال ہے کہ مولٰنا ریاست علی صاحب ندوی کے تبصرہ کی علمی حیثیت جو کچھ بھی ہو (جو اس استدراک سے ظاہر ہو جائے گی) لیکن انھوں نے واقعتہً ان شکوک کو قلمبند کیا ہے؛ جو کتاب العشر و الزکوۃ کا مطالعہ کرتے وقت ان کے ذہن میں پیدا ہوئے، اگرچہ ایسا بھی مجکو محسوس ہوتا ہے، کہ شبہات کی پیدائش کے بعد جو انھوں نے دینی کتابوں کی طرف مراجعت کی اس کا مقصد شبہات کا ازالہ نہ تھا، بلکہ شکوک کو دلائل سے تقویت دینا تھا۔ کیونکہ پیدا شدہ شکوک کے ازالہ کے لیے تو بڑی حد تک کتاب العشر و الزکوۃ کا

دوبارہ مطالعہ ہی کافی تھا،

بہرحال مولٰنا ریاست علی صاحب ندوی کے خلوص نے حضرت مصنف مدظلہ کو "استدراک" لکھنے پر مجبور کیا، میں نے "**استدراک**" شروع سے آخر تک سُنا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریر بھی ہر طرح حضرت مصنف کے علمی منصب کے شایان شان ہے۔ وہی ہر قدم پر تحقیقی انداز بیان، وہی طریق استدلال، وہی ہر بات پر مستند کتابوں کے حوالے اور پھر حوالہ کی صحیح اور دل نشین تشریح جو مصنف کا طریقہ ہے، استدراک میں بھی پوری طرح نمایاں ہے، تبصرہ کا کوئی شبہ نہیں، جو استدراک میں زیر بحث نہ آیا ہو۔ اور اس شبہ کا اطمینان بخش ازالہ نہ کر دیا گیا ہو۔

یقین ہے، کہ "**تبصرہ**" کے مطالعہ سے جن لوگون کے ذہن میں شکوک پیدا ہوئے ہوں گے، وہ "استدراک" کی اشاعت کے بعد صاف ہو جائیں گے،

اور اگر ان لوگوں کے شبہات زائل نہ بھی ہوں تو یہی کیا کم ہے، کہ اس بہانہ ایک علمی دستاویز۔ پھر مسلمانوں کے ہاتھ آگئی۔

اللہ تعالےٰ حضرت مصنف مدظلہ کو تمام مسلمانوں اور خاص کر علماء کی طرف سے جزائے خیر دے، اور ان کی صحت کو بہتر رکھے، کہ مسلمانوں کے لیے افادہ کا ذریعہ ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

منت اللہ رحمانی
خانقاہ مونگیر
۱۵ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

عرض حال

مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی کے تبصرہ پر یہ "استدراک" جو رسالہ کی شکل میں ہے۔ اس کے متعلق مخدومی سیدی حضرت مولٰنا سید منت اللہ صاحب رحمانی جباسجادہ خانقاہ رحمانی مونگیر کے اس ارشاد کی بنا پر کہ "آپ اس طرح کے تبصرہ کا جواب نہ دیں"۔ میرا خیال نہ تو رسالہ کی شکل میں طبع کرانے کا تھا۔ نہ نقیب میں بہ اقساط شائع کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن صرف اس نقطہ نظر سے کہ دینی مسئلہ کے متعلق غلطی کا ازالہ ہو جائے۔ اور جن کے مطالعہ میں تبصرہ آیا ہے اُن کے مطالعہ میں "استدراک" بھی آجائے۔ صوبہ بہار اور غیر صوبہ کے بعض اکابر اور اہل علم کے اصرار پر

"استدراک" قلمبند کر کے معارف میں بھیجدیا گیا۔
جس کو اس معذرت کے ساتھ واپس کر دیا گیا۔ کہ معارف کی
ضخامت اتنی کم ہو گئی ہے کہ یہ طویل مضمون شائع نہیں کیا
جا سکتا ہے۔

ایسی صورت میں اُن اہل علم کا جنکے اصرار پر یہ استدراک
لکھا گیا، سخت تقاضا ہوا کہ اس کو ضرور پریس میں دیدیا جائے
انتہا یہ کہ بعض اہل علم نے استدراک کے مطالعہ کے لیے
پھلواری کے سفر کی زحمت اختیار کی۔ اور دفتر امارت شرعیہ
میں تشریف لائے۔ اور ملاحظہ کے بعد ان کے مطالبہ میں اور
شدت ہو گئی۔ کہ جلد از جلد اسکو پریس میں دیدیا جائے

بالآخر مجبور ہو کر ہم نے مخدوم ممدوح حضرت مولنا
سید منت اللہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ اس پر مقدمہ
تحریر فرمادیں۔ اس طرح پر یہ استدراک مع مقدمہ پریس کے
حوالہ کیا گیا۔

افادیت کے لحاظ سے مناسب یہ سمجھا گیا کہ اس کا نام "
ازالۂ شبہات از مسئلہ عشر وزکوٰۃ" رکھدیا جائے۔ وما اردت
الا الاصلاح ما استطعت ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم
ان اصبت فمن اللہ وان اخطات فمنی ومن الشیطان ؛

عبد الصمد رحمانی

استدراک

بر

تبصرہ مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی

"کتاب العشر والزکوۃ" پر مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین کا تبصرہ اگست ۱۹۴۱ء کے معارف میں مطالعہ میں آیا۔ یہ تبصرہ اپنے اندر کتنی بڑی ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مولانا موصوف نے اسکی ایک ایک سطر کو دقت نظر سے دیکھکر یہ تبصرہ سپرد قلم کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

اس کتاب کی افادی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ اسکے ایک ایک جزئی کو دقت نظر کے ساتھ دیکھنے کی ضرورت بھی داعی ہے کہ اسکو عشر وزکوۃ کے مسائل میں شرعی قوانین کا ایسا مجموعہ ہونیکا درجہ حاصل ہے، جسکے قوانین کے بموجب ایک پورے صوبہ میں عملدرآمد جاری ہوگا۔

اسلئے اسکی ان اہمیتوں کا لحاظ کر کے ضروری ہے کہ شرعی وفقہی حیثیت سے اسکی ہر سطر پر ایسی نظر ڈالی جائے کہ بظاہر اسکے مسائل وفتاوی میں کوئی جزئی مسامحت باقی نہ رہ جائے۔ ذیل کی سطروں

میں اسی خدمت کو انجام دینے کی کوشش کی گئی ہے: اور ان سطروں کی تسوید کا یہی اصل مدعا ہے"۔ (صفحہ ۳)

پھر اس وقت نظر کے ساتھ اپنے قیمتی وقت سے کافی مدت تقریباً ایک سال "محل نظر مسائل" پر غور وخوض کرنے میں مولانا ممدوح نے صرف فرمایا ہے جسکے ہم شکر گذار ہیں۔ کیونکہ فاضل تبصرہ نگار نے "کتاب العشر والزکوٰۃ" کے مطالعہ کے بعد اپنے "شکوک" کے متعلق جو مکتوب تحریر کیا تھا، اسپر ۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کی تاریخ ثبت ہے۔ اور یہ وہی مکتوب ہے، جسکا ذکر فاضل تبصرہ نگار نے اپنے تبصرہ میں ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

"اس کتاب کے مطالعہ سے جو نقوش راقم سطور کے ذہن میں قائم ہوئے، انہیں قلمبند کر کے مکتوب کے ذریعہ لائق مصنف کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کی گئی۔ اس مکتوب میں کتاب کے غیر معمولی محاسن کی ستائش کے ساتھ جو شکوک تھے انہیں عرض کیا گیا تھا۔ لائق مصنف نے اپنے جواب گرامی میں بعض شکوک تشفی بخش طریق پر دور کئے۔ بایں ہمہ بعض مسائل ایسے باقی رہ گئے جو راقم سطور کی نگاہ نے بصیرت میں اب بھی محل نظر معلوم ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۹)

حاشا اپنا مقصد اس استدراک سے نہ تو جواب لکھنا ہے، نہ باب الجدل کی طرح ڈالنی ہے۔ بلکہ صرف اس بات کی نشان دہی کرنی ہے کہ پیش نظر تبصرہ میں کتاب کے مندرجہ مباحث کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اسکا جواب "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں موجود ہے۔ اور میرا دل اتنے بھر کے لئے بھی تیار نہ ہوتا۔ اگر

تبصرہ میں صرف اختلاف رائے، کا اظہار کیا جاتا، لیکن جسطرح پر تبصرہ کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان "محل نظر مسائل" کے متعلق فاضل تبصرہ نگار کو یہ مغالطہ ہے کہ کتاب وسنت، اور فقہ حنفی کا مفتی بہ فتویٰ ان کی دقت نظر کے ساتھ ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور یہ ایسا مغالطہ ہے، جو ممکن ہے۔ دوسروں کے لئے بھی زلت قدم کا باعث ہو۔ مولانا نے تحریر فرمایا ہے :-

لائق مصنف نے ان مباحث کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے، وہ ہمارے نقطۂ نظر سے فقہ حنفی کے مفتی بہ مسائل کے مطابق پورا پورا نہیں اترتا، اس سلسلہ میں حسب ذیل معروضات بہ ترتیب پیش ہیں۔ (ص ۹۰)

فاضل تبصرہ نگار کے شکوک وشبہات کے پیش کرنے سے پہلے ان کی ایک "زلت قلم" کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ انہوں نے لکھا ہے :-

اگرچہ کتاب کا مسودہ ملک کے ممتاز اکابر علماء کی نظر سے گذر چکا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، اور مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی نے اس پر تقریظ لکھی ہے۔ حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کی تحریر مقدمہ کے طور پر کتاب میں منسلک ہے۔ اور آخر میں صوبہ بہار کے بہت سے علماء کی توثیق ثبت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان بزرگوں میں سے کسی کو بھی اسکے بالاستیعاب پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا ہے۔" (ص ۸۹)

حالانکہ اس کتاب کے صفحۂ اول پر سب سے پہلے "حضور امیر شریعت صوبہ

بہار و اڑیسہ مدظلہ کا ارشاد عالی ہے۔ اس میں یہ تصریح موجود ہے :-

"کتاب العشر والزکوۃ" میں نے شروع سے اخیر تک بغور و فکر دیکھا"

پھر اخیر کتاب میں صـ۱۹۷ پر حضرت مولانا سید شاہ قاضی نور الحسن صاحب مدظلہ قاضی امارت شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ کی رائے گرامی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ :-

"کتاب العشر والزکوۃ" مولفہ اخی محترم جناب مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ کو میں از اول تا آخر بغور پڑھا"

پھر صـ۱۹۶ پر حضرت مولانا ریاض احمد صاحب دامت برکاتہم مدرس مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کی رائے گرامی کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہے !-

احقر نے حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار کی تصنیف جدید "کتاب العشر والزکوۃ" اجمالی طور پر دیکھی موضوع کی اہمیت اور کتاب کی تحقیق و تفصیل سے بحث اسکی مقتضی تھی کہ غائر نظر سے مکرر و بدفعات اسکا مطالعہ واستفادہ کیا جاتا"

حیرت ہے کہ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے فاضل تبصرہ نگار نے یہ کیسے سپرد قلم کیا کہ

"ان بزرگوں میں سے کسی کو بھی بالاستیعاب پڑھنے کا موقع نہ مل سکا ہے"

خلاصہ تبصرہ

تکرار عبارت کے حذف کے بعد فاضل تبصرہ نگار کے تبصرہ کی قسط اول سے

دعاوی اور دلائل کا خلاصہ حسب ذیل نمبروں میں ہے

خلاصہ دعاوی

۱۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام میں امام کو زکوٰۃ کے وصول کرنے کا حق عطا کیا گیا ہے۔ لیکن اس کو یہ حق علی الاطلاق حاصل نہیں۔ (معارف ستمبر ۶۶ء ص ۹۱)

۲۔ فقہائے احناف نے ان میں سے امام کو جو حق دلایا ہے وہ . . . . صرف اموال ظاہرہ میں، یا ان اموال میں ہے جو اموال ظاہرہ کے حکم میں داخل ہو جائیں۔ (ص ۹۱)

۳۔ فقہ حنفی کے "فتوی" اور فقہائے احناف کی "عام تصریحات" کے مطابق عہد عثمانی کی "تفویض" مستقلاً، ارباب اموال کو حاصل ہو چکی ہے ص ۹۲ (یعنی اسکی حیثیت وقتی تفویض کے بجائے دائمی تفویض کی ہے) اب اس میں (یعنی تفویض عثمانی میں) ترمیم و تنسیخ کلیتہً روا نہ ہو گی اسی لئے ائمہ احناف نے اس تفویض کو مستقلاً قائم رکھا ہے۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کو امام و والی کے دائرہ حق اختیار سے خارج سمجھا ہے"۔ (ص ۹۳)

خلاصہ دلائل

۴۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس سبب سے اس حق کو تفویض فرمایا "وہ علی حالہ" اب بھی موجود ہے (ص ۹۳)

۵۔ انہوں نے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے) اس تفویض کو صحابہ کرام کے اتفاق رائے سے جاری کیا تھا، اسلئے اسکی حیثیت اجماع صحابہ کی ہو گئی اب اس میں ترمیم و تنسیخ کلیتہً روا نہ ہو گی ص ۹۳ (اجماع صحابہ کے رد کرنے کا اختیار کسی امام و

والی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ص۱۰۱

۶۔ جس میں احناف و شوافع کا مشہور اختلاف جو اموال ظاہرہ کو بطور خود دیدینے میں ہے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جسطرح اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کو حاصل ہے۔ اسطرح اموال باطنہ کی وصولی کا حق اسکو حاصل نہیں۔ ص۹۵

۷۔ بیت المال کی آمدنی کی مد میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا ذکر نہ ہونا دلیل ہے۔ کہ یہ حق دائمی طور پر ارباب اموال کو تفویض ہو چکا ہے۔ (ص۹۶ ملخصاً)

۸۔ عہد عثمانی سے دور حاضر تک کی حکومتوں میں سے کسی شرعی حکومت میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کو حاصل نہیں رہا۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکو صرف اپنے زمانہ کیلئے کیا ہوتا تو بعد کے زمانہ میں کسی نہ کسی ایک حکمران کے دور میں ہو سکتا تھا کہ فیصلہ عثمانی یعنی تفویض کو رد کرکے بقول مصنف کتاب وسنت کے مطابق عمل کرنے کے لئے اس حق کو امام دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا (ص۹۹)

۹۔ فقہ حنفی (بدائع الصنائع) کی تصریح کے مطابق امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے وصول کرنے یا اسکے متعلق کوئی آمرانہ حکم نافذ کرنے کا اختیار حاصل نہیں بلکہ یہ چیز اسکے حدود و اختیار سے باہر ہے۔ (ص۱۰۱)

۱۰۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا تعلق امام و والی سے نہ ہونا صرف فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ یہ دیگر مذاہب کا بھی متفقہ مسلک ہے (ص۱۰۱)

شبہات مذکورہ کے جواب کی نشاندہی

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں اس استدراک کی تحریر کا مقصد صرف اس بات

نشان دہی کرتی ہے کہ پیش نظر تبصرہ میں کتاب کے مندرجہ مباحث کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اسکا جواب "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں موجود ہے"۔ ذیل میں ہر نمبر کے متعلق ہم اختصار کے ساتھ نشان دہی کریں گے۔ مجھکو امید ہے کہ اس نشان دہی کے بعد تمام شکوک تشفی بخش طریق پر دور ہوجائینگے۔ وما ہذا علی اللہ بعزیز۔

نمبر اول کا جواب

فاضل تبصرہ نگار کو اس نمبر میں اسکا تو اعتراف ہے کہ "یہ صحیح ہے۔ کہ اسلام امام کو زکوٰۃ کے وصول کرنے کا حق ہے۔ آپ کو اختلاف اس حق کے اطلاق اور عموم پر ہے۔ یعنی اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق تو امام کو شرعاً حاصل ہے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کو حاصل نہیں ہے۔

حالانکہ کتاب العشر والزکوٰۃ کے صد ۵۳ صد ۵۴ میں اس امر کے متعلق کہ امام کو مطلقاً وصولی زکوٰۃ کا حق حاصل ہے، سورہ توبہ کی دو آیتیں پیش کی گئی ہیں۔ پھر ان کے متعلق صد ۵۸ میں علامہ ابن ہمام حنفی شارح ہدایہ کی فتح القدیر کی یہ عبارت پیش کی گئی ہے۔

ثم ظاہر قولہ تعالیٰ خذ من اموالہم صدقۃ الآیۃ توجب اخذ الزکوٰۃ مطلقاً للامام (صد ۴۸۸ ج ۱)	اللہ تعالیٰ کا قول "خذ من اموالہم صدقۃ" امام کے لئے زکوٰۃ کی وصولی کے حق کو مطلقاً واجب کرتی ہے (یعنی اموال ظاہرہ و باطنہ دونوں کو عام ہے)

پھر صد ۵۹ میں علامہ امام اکمل الدین محمد ابن محمد حنفی شارح ہدایہ کی عنایہ کی

یہ عبارت پیش کی گئی ہے :-

هذا الآن ظاهر قوله تعالٰی خذ من اموالهم صدقة يثبت للامام حق الاخذ فی کل حالٍ -

اللہ تعالٰی کا قول خذ من اموالہم صدقۃ کی ظاہر عبارت امام کے لئے ہر طرح کے مال سے وصولی زکوۃ کے حق کو ثابت کرتا ہے -

پھر صـ۶۶ دسـ٦ میں اسکے متعلق آثار و حدیث سے امام طحاوی کی روا[یت] پیش کی گئی ہے -

پھر صـ۶۱ میں حجۃ الاسلام علامہ ابو بکر احمد علی الرازی الجصاص کی [کتاب] احکام القرآن کی یہ عبارت پیش کی گئی ہے :-

وقوله خذ من اموالهم عموم فی سائر اصناف الاموال ومقتضٍ لاخذ البعض منها اذ کانت من مقتضیة التبعیض وقد دخلت علی عموم الاموال فاقتضت ایجاب الاخذ من سائر اصناف الاموال بعضا (صـ۱۴۹ جـ۳)

اللہ تعالٰی کا ارشاد کہ خذ من اموالہم ص[دقۃ] مسلمانوں کے مالوں سے زکوۃ وصول کیجئے [ہر قسم] کے اموال کے لئے عام ہے اور اس امر کو مقتضی [ہے کہ] ہر قسم کے مال میں سے زکوۃ میں بعض حصہ مال کا [لیا جائے] کیونکہ لفظ مِن کا مقتضی تبعیض ہے - اور [وہ عموم] اموال پر داخل ہوا ہے - پس اس کا اقت[ضا یہ ہے کہ ہر] قسم کے مال میں سے بعض حصہ مال کا زکو[ۃ میں] وجوباً وصول کرتا ہے -

طبقہ احناف میں علامہ طحاوی - علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر اور ص[احب] عنایہ - اور علامہ جصاص رازی کی رائے کا کیا درجہ ہے - اہل علم کو معلوم ہے کہ ع[...]

طحاوی اعیان حنفیہ کے رئیس اور بعض محققین کے نزدیک مجتہدین فی المذہب ہیں۔
ر علامہ ابن ہمام بالاتفاق طبقہ "اہل ترجیح" میں سے ہیں۔ بلکہ بعض علماء کے
دیک "طبقہ اہل اجتہاد" میں ہیں۔ صاحب عنایہ اپنے وقت کے امام ہیں۔ اور
علامہ جصاص کا درجہ اعیان حنفیہ میں "مجتہدین فی المذہب" کا ہے۔

ان اکابر حنفیہ کی یہ رائے آیت توبہ اور آثار کے ذیل میں ہے۔ علاوہ ازیں
فقہائے حنفیہ کی رائے مسائل زکوۃ کی تفریع اور بیان کے سلسلہ میں بھی یہی ہے۔

۔ امام کو وصولی زکوۃ کا حق علی الاطلاق حاصل ہے۔ یعنی اموال ظاہرہ میں بھی
ر اموال باطنہ میں بھی۔ اور فقہ کی جتنی متداول کتابیں ہیں۔ سب میں یہ مسئلہ
کور ہے۔

اس سلسلہ میں کتاب العشر والزکوۃ میں ص۲۸ سے لغایت ص۳۰ تک یہ مرقوم ہے۔
اصل یہ کہ فقہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے۔ کہ ارباب اموال پر جب کوئی ایسا دَین واجب ہو
س کا مطالبہ بندہ کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ تو وہ دَین مانع فرض زکوۃ ہے۔ یعنی
قدار دین وضع کرنے کے بعد بمقدار نصاب اسکے پاس مال نہ بچتا ہو۔ تو زکوۃ واجب
یں ہو گی۔ اور فقہا زکوۃ کے دَین کو بھی ان ہی دینوں میں شمار کرتے ہیں۔
س کا مطالبہ بندہ کی طرف سے ہو۔ مثلاً کسی کے پاس چالیس روپیہ سال بھر ہے
اں تک کہ اس پر دوسرا سال بھی گذر گیا۔ اور زکوۃ ادا نہیں کیا۔ تو اب اگرچہ
پر دو سال گذر گئے۔ لیکن چونکہ پہلے سال کی زکوۃ دَین ہے۔ اس کو وضع کرنے
بعد سال دوم میں انتالیس بچے۔ اور یہ نصاب سے کم ہوا۔ اسلئے سال دوم میں
وۃ فرض نہیں ہو گی۔ کیونکہ دین کو وضع اور مجرا کرنے کے بعد نصاب نہیں بچتا ہے۔

الغرض اموال ظاہرہ اور باطنہ دونوں قسم کے دین مانع فرضیت زکوۃ ہیں یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ زکوۃ کے طلب کرنے کا حق امام اور اسکے قائم مقام کو ہے۔ اگر یہ حق امام کو نہیں ہوتا تو پھر دین زکوۃ مانع فرضیت نہ ہوتا جیسے کہ دین کفارہ صوم وغیرہ مانع فرضیت زکوۃ نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا مطالب کوئی بندہ نہیں ہے۔ بلکہ خداوند تعالی کی ذات ہے۔

صاحب شرح وقایہ سے لغزش قلم ہوگئی کہ دین کفارہ کے ساتھ دین زکوۃ کو بھی شامل کرلیا۔ اسلئے مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اسکے حاشیہ میں لکھا ہے۔ کہ علامہ شارح ہروی ابن کمال نے اس کی تردید کی ہے۔ اسکے بعد مولانا موصوف لکھتے ہیں :-

وتفصيله على ما في الهداية وشرحها والمحيط وغيرها ان دين الزكوة سواء كان في الاموال الظاهرة والباطنة يمنع وجوب الزكوة لان له مطالبا من جهة العباد وهو الامام او نائبه وهذا عند علمائنا الثلثة في ظاهر الرواية وخالف فيه زفر بعدم المنع مطلقا (عمدة الرعاية)

اس مسئلہ کی تفصیل جیسا کہ ہدایہ اور اسکی شرحیں اور محیط وغیرہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ دین زکوۃ عام ازیں کہ اموال ظاہرہ کا دین ہو یا باطنہ کا سبب وجوب زکوۃ کو مانع ہے۔ اور یہ اسلئے کہ اسکا من جہت العباد کوئی طالب ہے۔ اور وہ امام یا اسکے نائب ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ہمارے ائمہ ثلثہ کا جو ظاہر روایت ہے۔ ہاں زفر کا اس میں خلاف ہے۔ اور وہ مطلقا عدم منع کے قائل ہیں۔

اسی طرح بدائع الصنائع میں بھی دین زکوٰۃ کو اس دین میں شمار کیا ہے جس کا مطالبہ من جہتہ العباد ہو۔ اور امام اور اسکے قائم مقام کو مطالب قرار دیا ہے۔ یعنی امام کے حق مطالبہ کو تسلیم کیا ہے۔ اور اسکے لئے دلیل قائم کی ہے۔ بدائع الصنائع کے الفاظ یہ ہیں:۔

ولابی حنیفة ومحمد ان کل ذلک دین مطالب من جهة العباد۔ اما زکوة السوائم فلانها یطالب بها من جهة السلطان عینا کان او دینا ولهذا یستحلف اذا انکر الحول او انکر کونه للتجارة او ما یشبه ذلک فصار بمنزلة دیون العباد اما زکوة التجارة مطالب ایضا تقدیرا لان حق الاخذ للسلطان وکان یاخذها رسول الله صلی الله علیه وسلم وابو بکر وعمر رضی الله عنهما الی زمن عثمان رضی الله عنه فلما کثرت الاموال فی زمانه

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب ایسے دین ہیں جن کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہے۔ سائمہ جانوروں کی زکوۃ تو اسلئے کہ اسکا مطالبہ امام کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ چاہے وہ زکوۃ بصورت عین ہو یا بصورت دین ہو۔ اسی بنا پر صاحب مال سے حلف لیا جائیگا اگر وہ حولان حول کا انکار کریگا، یا تجارتی مال ہونے کا انکار کریگا یا اسی طرح کی اور بات ہو، پس سائمہ جانوروں کی زکوۃ کا دین بمنزلہ بندوں کے دین کے ہے۔ لیکن تجارت کی زکوۃ تو تقدیری حیثیت سے اسکے لئے بھی مطالبہ کرنے والا ہے۔ اسلئے کہ تجارت کی زکوۃ کی وصولی کا حق امام کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تجارتی مال کی زکوۃ وصول کرتے تھے اور یہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک رہا پھر جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اموال کثرت ہوگئی

وعلم ان فی تتبعها زیادة
ضرر بارباها ـ ای المصلحة
فی ان یفوض الی اربابها
باجماع الصحابة فصار ارباب
الاموال کالوکلاء عن الامام
الا تری انه قال من کان
علیه دین فلیؤده ولیزک
ما بقی من ماله فهذا توکیل
لارباب الاموال باخراج
الزکوة فلا یبطل حق الامام
عن الاخذ ولهذا قال
اصحابنا ان الامام اذا علم
من اهل بلدة انهم یترکون
اداء الزکوة من الاموال
الباطنة فانه یطالبهم بها
الخ (بدائع الصنائع)

اور حضرت عثمان نے یہ سمجھا کہ ان مالوں کی
تفتیش میں صاحب اموال کے لئے بہت زیادہ
نقصان وضرر ہے۔ تو صحابہ کرام کے اجماع
سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصلحت یہ دیکھی
کہ ارباب اموال کو ادائیگی زکوۃ کا حق تفویض کر د
جائے۔ پس یہ ارباب اموال امام کے وکیل کی طرح ہیں
کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت عثمان رض نے (ارباب
اموال سے) کہا کہ جس شخص پر دین ہو وہ اپنے دین
ادا کرے اور ما بقیہ مال کی زکوۃ ادا کرے۔ پس یہ
اعلان ادائیگی زکوۃ کے لئے ارباب مال کو وکیل
بنانا ہے۔ لہذا وصولی زکوۃ کا حق جو امام کو ہے
وہ باطل نہیں ہوگا۔ اسی بنا پر ہمارے اصحاب حنفیہ
نے کہا ہے۔ کہ امام کو جب معلوم ہو کہ شہر کے لوگ
اموال باطنہ کی زکوۃ کی ادائیگی ترک کر دیا
ہے تو امام ان سے اموال کی زکوۃ کا م
کریگا۔

حاصل یہ کہ جس طرح زمانہ نبوت اور خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں زکوۃ اموال
باطنہ کے مطالبہ کا حق امام یا اسکے والی کو تھا۔ آج بھی امام کو اور اسکے والی کو
مطالبہ اموال باطنہ کی زکوۃ کا شرعاً حق حاصل ہے حضرت عثمان رض نے اپنے عہد

...چھ بھی کسی مصلحت سے انتظام فرمایا تھا، اسکی حیثیت زیادہ سے زیادہ توکیل حق کی ...۔ اسقاط حق کی نہ تھی۔ اسی طرح عالمگیری اور مبسوط وغیرہ میں بھی دین زکوۃ کو مانع ...یثیت زکوۃ اس بنا پر قرار دیا ہے کہ امام یا اسکے قائم مقام کو مطالب قرار دیا ہے۔ ... اسکے لئے حق مطالبہ کو تسلیم کیا ہے۔ بلکہ مبسوط میں اس امر کی تشریح ہے کہ عہد نبوت ...ادر عہد شیخین میں اموال باطنہ کی زکوۃ "مصدق" وصول کرتا تھا۔

...دین الزكوة عن الاموال
...طنة بمنزلة عن الاموال
...اهرة فان المصدق كان
...ذ منها في عهد رسول الله صلى الله
...وسلم والخليفتين من بعده
...الله عنهما حتى فوض عثمان الاداء
...رباب الاموال لما خاف
...شقة والحرج في تفتيش الا
...ل عليهم من سعاة السوء
...ت ذلك توكيلا عنه لصاحب
...ل بالاداء فينفذ توكيلا
...ان من نظر صحيح ـ
(مبسوط ص ١٦٩ تا ١٧٠ ج ٢)

پھر اموال باطنہ کی زکوۃ کا دین بمنزلہ اموال ظاہرہ کے دین کے ہے۔ اسلئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں محصل اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضؓ نے ادائیگی زکوۃ کی ذمہ داری کو ارباب اموال کے سپرد کردیا اسکی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عثمان رضؓ غیر محتاط عاملوں کے ہاتھوں مال کی تفتیش میں ارباب اموال کی مشقت اور حرج سے ڈرے۔ پس یہ حضرت عثمان رضؓ کی جانب سے ارباب اموال کے لئے ادائیگی زکوۃ کی توکیل تھی۔ پس حضرت عثمان رضؓ کی توکیل نافذ ہوگئی۔ کیونکہ یہ توکیل صحیح نظر کی بنا پر تھی۔

پھر کتاب العشر والزکوۃ میں صـ۶۵ سے نہایت صـ۶۷ امام ابو حنیفہ، امام ابو
یوسف، امام محمد رحمہم اللہ کا فتویٰ کے عنوان کے تحت میں امام کے حق علی الاطلاق
پر آثار وحدیث کی روشنی میں علامہ طحاوی کا (جو اعیان حنفیہ میں اپنے فضل وعلم کے اعتبار
سے مجتہدین فی المذہب کے درجہ میں ہیں) حسب ذیل فیصلہ نقل کیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ کا فتویٰ

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ کا متفقہ فتویٰ یہ ہے۔ کہ
تمام اموال کی زکوۃ کے وصول کرنے کا حق امام یا ان کے قائم مقام کو ہے۔ اور یہ
صرف انہی کا حق ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جنکو تحقیق مذہب حنفیہ میں
ید طولیٰ حاصل ہے۔ اور انکا طریق استدلال نقلی وعقلی دونوں پر حاوی ہوتا ہے
اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں اس موضوع پر خصوصیت سے باب الزکوۃ
ھل یاخذھا الامام ام لا کے ماتحت بحث کی ہے۔ اس باب میں ان لوگوں کی آثار وحدیث
سے تردید کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کو وصولی زکوۃ کا حق نہیں ہے۔ اپنے
اصول تحریر کے مطابق آخر میں لکھتے ہیں۔

فلما فعل عمرؓ ھذا بحضرۃ اصحاب	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	کے تمام صحابہ کی موجودگی میں اس معاملہ کو کیا (یعنی
فلم ینکرہ علیہ منھم احد منکر	باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کے لئے عمال مقرر کیا) اور
کان ذلک حجۃ و اجماعا منھم علیہ	تمام صحابہ کرام میں سے کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ
فھذا وجہ ھذا الباب من طریق الآثار	پر انکار نہیں کیا تو تمام صحابہ کرام کا اس معاملہ پر اجماع

ہوگیا اور حجت ہوگئی پس امام کی وصولی زکوۃ کے حق کے باب میں آثار سے یہ دلیل ہے۔

واما وجهه من طريق النظر فانا قد رأيناهم انهم لا يختلفون ان للامام ان يبعث الى ارباب المواشي السائمة حتى يأخذ منهم صدقة مواشيهم اذا وجبت فيها الصدقة وكذلك يفعل في ثمارهم ثم يضع ذالك في مواضع الزكوة على ما امر به عز وجل لا يأبى ذلك احد من المسلمين فالنظر على ذالك ان يكون الاموال من الذهب والفضة واموال التجارة كذالك

(ص ۳۱۳ کتاب العشر والزکوۃ)

عقلی طور پر اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسمیں صحابی اور امام کو اختلاف نہیں ہے کہ امام کو یہ حق ہے کہ سائمہ جانوروں کے مالک کے پاس عامل اسلئے بھیجے کہ وہ ان جانوروں کی زکوۃ ان سے وصول کرے جن پر زکوۃ واجب ہو چکی ہے۔ اسی طرح پھلوں کی زکوۃ بھی وصول کرے، اور ان کو انکے مصارف میں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے خرچ کرے اور اسکا کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے۔ تو عقل یہی چاہتی ہے کہ یہی حکم باقی اموال زکوۃ سونا، چاندی، تجارتی مال میں ہو یعنی اموال باطنہ کی زکوۃ کے وصول کرنے کا حق بھی امام کو ہے۔ (کیونکہ امام کے لئے زکوۃ کی وصولی کے حق میں قرآن مجید کا جو حکم خذ من اموالہم صدقۃ میں ہے کہ آپ مسلمانوں کے ہر قسم کے مالوں سے زکوۃ وصول کیجئے یہ حکم عام ہے۔ جو ہر قسم کے جملہ اموال کو شامل ہے)

امام طحاویؒ نے اموال ظاہرہ کے ساتھ تمام اموال باطنہ کا بھی صاف طور سے ایک ہی حکم بیان کیا اور اس بحث کے بعد امام موصوف نے آخر میں ائمہ ثلثہ حنفیہ کے

متعلق یہ لکھا -

وھذا کلہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہ اللہ	یہی قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے -

(ص۳۱۴ کتاب العشر والزکوۃ)

بہرحال کتاب العشر والزکوۃ" میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث ہے - جو اصل کتاب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے - فاضل تبصرہ نگار کے پورے تبصرہ میں اس دعویٰ پر کہ امام کو زکوۃ کے وصول کرنے کا حق علی الاطلاق حاصل نہیں ہے - مجھکو کوئی دلیل نہیں ملی - اور نہ کتاب العشر والزکوۃ" کے مذکورہ دلائل کے متعلق جس سے امام کے لئے زکوۃ کی وصولی کا حق علی الاطلاق ثابت ہوتا ہے (چاہے وہ اموال ظاہرہ ہوں چاہے اموال باطنہ) کوئی جرح اور تنقید ملی - اس لحاظ سے فاضل تبصرہ نگار کا دعویٰ ایسا ادعا بن کر رہ گیا ہے - جو بار ثبوت سے عہدہ برآ نہیں ہے -

حیرت ہے - ایک ایسے مسئلہ کے متعلق جسکے بارے میں کتاب وسنت اور اجلہ مفسرین - اور اجلہ احناف کی تصریحات موجود ہیں - حتی کہ خود امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ تعالےٰ کا بھی یہ مسلک ہو کر امام کو اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق ہے - فاضل تبصرہ نگار اسکے متعلق فرماتے ہیں کہ "اموال باطنہ کی زکوۃ کا تعلق امام ووالی سے سرے سے قائم نہیں"

(معارف ص۱۶۳ نمبر ۳ - جلد ۵۵)

خامہ انگشت بدنداں ہے، اسے کیا کہئے ؟

نمبر دوم کا جواب

مولانا کا یہ دعویٰ کہ "فقہائے احناف نے ان میں سے امام کو جو حق ولایت دیا ہے وہ امام کو صرف اموال ظاہرہ میں یا ان اموال میں ہے جو اموال ظاہرہ کے حکم میں داخل ہو جائیں" صحیح نہیں ہے

اس لئے کہ نمبر اول میں اجلہ فقہا حنفیہ بلکہ خود امام ابو حنیفہ، اور ان کے صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے فتاوے اس صراحت میں گذر چکے ہیں۔ کہ امام کو خواہ اموال ظاہرہ ہوں یا اموال باطنہ ہر ایک کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق حاصل ہے۔ اور یہ حق اسکا قرآن مجید سے، حدیث سے، آثار صحابہ سے، اجماع سے ثابت ہے۔ بلکہ فقہا کے باب زکوٰۃ کے فروعی مسائل سے بھی ثابت ہے۔ کہ اموال ظاہرہ ہوں یا اموال باطنہ امام کو دونوں کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق ولایت ہے۔

پورے تبصرہ میں فاضل تبصرہ نگار نے اپنے اس "صرف" پر قرآن، حدیث، فقہ سے کوئی دلیل نہیں دی ہے۔ اور جہاں تک میرے ناقص علم و بصیرت کا تعلق ہے فقہ حنفی کی جملہ متداول کتابیں اس "صرف" سے خالی ہیں۔ دراصل فقہ حنفی کا یہ ایسا مسلمہ مسئلہ ہے کہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد فخر الدین احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد اور مولانا حضرت الحاج عبد الحلیم صاحب صدیقی، باوجود قلت فرصت کے اور پوری کتاب کے مطالعہ کیلئے وقت نہیں نکالنے کے ہر بزرگ نے اس بحث کے ایک ایک لفظ کو پڑھا اور سنا بلکہ حضرت مفتی صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے اس بحث کے ایک ایک جملہ

کے لئے اصل کتاب کی طرف مراجعت فرماکر مقابلہ فرمایا۔ اسکے بعد اپنی رائے گرامی میں اس مسئلہ کے متعلق یہ صراحت فرمادی۔ کہ

"یہ امر یقینی ہے۔ کہ امیر کو سامانوں سے عشر اور ہر قسم کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے۔ اور اسکو نظام کے ساتھ مصارف شرعیہ میں صرف کرنے کا اسے اختیار ہے"۔ (کتاب العشر والزکوٰۃ ص۳۲)

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد فخر الدین احمد صاحب نے بھی اپنی رائے گرامی میں اسکے متعلق یہ توثیق فرمائی۔

"بے شک اموال ظاہرہ ہوں یا اموال باطنہ۔ امام کو ہر قسم کی زکوٰۃ اور عشر کے مطالبہ کا حق ہے۔ (کتاب العشر والزکوٰۃ ص۲۶)

اسی طرح حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند نے اپنے تعارف میں اس مسئلہ کے متعلق نہایت واضح الفاظ میں یہ رائے ثبت فرمائی:۔

"میرا یقین ہے۔ مولانا نصوص کتاب وسنت اور ائمہ مجتہدین کی تصریحات سے امام کے لئے زکوٰۃ اموال ظاہرہ وباطنہ اور عشر کے وصول کرنے کی ولایت شرعیہ کو استدلال سے ثابت کرنے میں سو فیصدی کامیاب ہیں"۔ فللہ الحمد علی ذالک۔ (کتاب العشر والزکوٰۃ ص۹)

بہرحال سلف صالحین کی طرح آج کے ہمارے اکابر علماء ہند کا بھی اس مسئلہ میں متفقہ فیصلہ یہی ہے۔ کہ" اموال ظاہرہ ہوں یا اموال باطنہ ہر ایک کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کو شرعاً حاصل ہے۔ اور یہ ایک امر یقینی" ہے۔ یعنی

اس میں ریب و شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

مذکورۂ بالا تصریحات کی بنا پر یہ امر واضح ہو گیا کہ کتاب و سنت کی تصریحات کے علاوہ

(۱) ہمارے علمائے ثلثہ یعنی حضرت امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ کا اموال باطنہ کے متعلق مذہب یہ ہے کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا حق ہے۔

(۲) اور اس مسئلہ میں تینوں اماموں کا اتفاق ہے۔ امام صاحب کو صاحبین سے یا صاحبین کو امام صاحب سے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۳) مذہب حنفی کا ظاہر روایت بھی یہی ہے۔ کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا حق ہے۔

(۴) تمام اجلہ کتب حنفیہ مثلاً مبسوط جو ظاہر الروایۃ پر مبنی ہے۔ ہدایہ۔ اس کے شروح محیط وغیرہ سب اس پر متفق ہیں کہ امام اور امام کا نائب اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا شرعاً حق رکھتا ہے۔

(۵) اسی طرح علماء ثلثہ یعنی امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ سے لیکر تمام اجلہ فقہاء حنفیہ، جیسے امام طحاوی، علامہ ابن ہمام، صاحب شرح الوقایہ علامہ محمد بن محمود اکمل الدین صاحب عنایہ شارح ہدایہ۔ نیز صاحب ہدایہ۔ صاحب بدائع الصنائع۔ علامہ جصاص رازی وغیرہ امام کے اس حق کے مسئلہ میں کہ

امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا حق ہے، سب کے سب متفق ہیں۔

(۶) حتی کہ معاصر اکابر حنفیہ جیسے حضرت مفتی اعظم علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب شاہی مسجد مراد آباد۔ مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند۔ حضور امیر شریعت صوبہ بہار و اڑیسہ مدظلہ، ۔حضرت مولانا سید نور الحسن صاحب قاضی امارت شرعیہ صوبہ بہار وغیرہ۔ جو اس وقت شرعی مسائل اور حنفی مسلک کے مستند ذمہ دار، لائق اعتماد۔ اور علماء کی جماعت میں راسخون فی العلم کا درجہ رکھتے ہیں اور صاحب درس و افتاء ہیں، ان کا بھی اسپر اتفاق ہے۔ کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا حق ہے۔ اور یہ امر یقینی ہے۔

(۷) کسی مستند کتب حنفیہ میں نہ تو اس امر کی کوئی تصریح ہے۔ اور نہ کوئی فتوی ہے کہ ائمہ ثلثہ حنفیہ۔ اور ظاہر روایت کے خلاف ضرورت شرعی کی بنا پر اب فتوی یہ ہے کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

لیکن باوجود اسکے فاضل تبصرہ نگار کتاب و سنت اور تمام ائمہ حنفیہ اور فقہاء حنفیہ، اور علماء حنفیہ کے مستند مسلک کے خلاف، اور چودہ سو برس کے اجماعی مسئلہ کے خلاف آج سب سے الگ متفرد ہو کر حنفی مسلک کے علی الرغم یہ فتوی ارشاد فرما رہے ہیں۔ کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا تعلق امام ذات سے سرے سے قائم نہیں

حالانکہ فقہ حنفی میں رسم المفتی کی بحث " میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ

بغیر ضرورت شرعی، کسی مجتہد کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ کسی ایسے مسئلہ کے متعلق جس میں ائمہ ثلٰثہ کا اتفاق ہو۔ ایسا اجتہاد کریں جو ان ائمہ کے مذہب کے خلاف ہو رسائل ابن عابدین میں ہے۔

اذ لم یاذنوا فی الاجتہاد فیما خرج عن المذھب بالکلیہ مما اتفق علیہ ائمتنا لان اجتہادھم اقوی من اجتہادہ فالظاھر انھم راوا دلیلا ارجح مما راٰہ حتی لم یعملوا بہ۔ (ص۲۴)

وہ مسائل جن میں ہمارے ائمہ ثلٰثہ کا اتفاق ہو ان میں بالکلیہ مذہب سے خروج کو ہمارے فقہاء نے اجتہاد کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسلئے کہ ائمہ کا اجتہاد اس مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ قوی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مجتہد کی دلیل سے ائمہ نے ضرور زیادہ راجح دلیل پایا۔ اسلئے انہوں نے مجتہد کی دلیل پر عمل نہیں کیا۔

پھر اسی صفحہ میں علامہ قاسم کا اپنے شیخ کے ابحاث کے متعلق جو اہل ترجیح سے ہیں یہ فتوی نقل کیا ہے

قال العلامۃ القاسم فی حق شیخہ خاتمۃ المحققین الکمال بن الھمام لا یعمل بابحاث شیخنا التی تخالف المذھب۔

اپنے شیخ خاتم المحققین علامہ کمال ابن ہمام کے بارے میں علامہ قاسم نے کہا۔ کہ ہمارے شیخ کی بحثوں پر ان مسائل میں عمل نہیں کیا جائیگا جو ظاہر مذہب حنفی کے خلاف ہوں۔

حالانکہ علامہ ابن ہمام ؒ کو علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق نے "اہل ترجیح سے" لکھا ہے۔ اور دوسرے علماء نے ان کو طبقہ اہل اجتہاد میں شمار کیا ہے۔ اور حضرت مولانا عبد الحی ؒ کے نزدیک یہی قرین صواب ہے۔ مگر بغیر ضرورت شرعی

مذہب کے خلاف ان کی رائے بھی فقہ حنفی میں معتبر نہیں سمجھی گئی۔ پھر فتاوی قاضی خاں کے حوالہ سے اسی صفحہ میں صائب الرای مجتہد کے متعلق یہ حکم ہے۔ کہ

رسم المفتی فی زماننا من اصحابنا اذا استفتی عن مسئلۃ ان کانت مرویۃ عن اصحابنا فی الروایات الظاہرۃ بلا خلاف بینہم فانہ یمیل الیہم و یفتی بقولہم ولا یخالفہم برایہ وان کان مجتہدا متقنا لان الظاہر ان یکون الحق مع اصحابنا ولا یعدوہم واجتہادہ لا یبلغ اجتہادہم ولا ینظر الی قول من خالفہم ولا تقبل حجتہ لانہم عرفوا الادلۃ ومیزوا بین ما صح و ثبت وبین ضدہ الخ۔

ہمارے اصحاب حنفیہ سے ہمارے زمانہ کے بارمیں "رسم المفتی" یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق استفتار کیا جائے تو اگر وہ مسئلہ ائمہ کے اختلاف کے بغیر باعتبار ظاہر روایت کے مروی ہو تو ایسی صورت میں ان ہی ائمہ کی طرف میلان کیا جائیگا۔ اور اپنی رائے سے ائمہ کی مخالفت نہیں کی جائیگی۔ اگرچہ وہ مفتی صائب الرائے مجتہد کیوں نہ ہو۔ اسلئے کہ ظاہر یہ ہے کہ حق ہمارے ائمہ کے ساتھ ہوگا۔ ان سے الگ ہوکر نہیں ہوگا۔ اور اس مجتہد مفتی کا اجتہاد ائمہ کے اجتہاد کو نہیں پہونچ گا۔ اور اس شخص کے قول کی طرف نگاہ نہیں کی جائیگی۔ اور اسکی دلیل کو قبول نہیں کیا جائیگا۔ اسلئے کہ ائمہ نے دلائل کو اچھی طرح پہچانا ہے۔ اور صحیح و ثابت اور اسکے خلاف میں تمیز کیا ہے۔

بہرحال فتاوی قاضی خاں کی مذکورہ بالا تصریح کی بنا پر بغیر ضرورت شرعی حنفی مذہب میں نہ تو کسی "صائب الرائی" مجتہد کو اسکی اجازت ہے۔ نہ کسی اہل تخریج

اسکی اجازت ہے کہ ایسے مسئلہ میں جس میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ کا اتفاق ہو۔ ان کے مسلک کے خلاف کوئی رائے دے۔ بلکہ اسکے لئے لازم یہ ہے کہ وہ ان ہی کے قول پر فتوی دے۔ اور ان ہی نے مسلک کی طرف میلان کرے۔ اور اگر کوئی اختلاف کریگا۔ تو نہ اسکے قول کی طرف توجہ کی جائیگی۔ اسکی دلیل قبول کی جائیگی۔ اسلئے کہ یہ ائمہ بمقابلہ ان مجتہدین کے دلائل شرعیہ زیادہ معرفت رکھتے تھے۔

پھر علامہ ابن عابدین ص۲۶ میں کہتے ہیں۔

وقد علمت ما قررناه انفا ان ما تفق علیہ ائمتنا لایجوز للمجتهد فی مذهبهم ان یعدل عنه برائه	ہم نے جو کچھ ابھی ثابت کیا ہے اس سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جس امر پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہو، کسی مجتہد فی المذہب کو جائز نہیں ہے۔ کہ وہ اس سے روگردانی کرے۔

پھر اسی صفحہ میں لکھتے ہیں۔

انه اذا اتفق ابو حنیفه واصحابه علی جواب لم یجز العدول عنه الا لضرورة	ایسے مسائل میں جن میں امام ابو حنیفہ اور انکے صاحبین ایک جواب پر متفق ہوں تو بغیر ضرورت شرعیہ اس سے روگردانی جائز نہیں ہے۔

ان سب حوالوں کا حاصل یہ ہے کہ بغیر ضرورت شرعی ایسے مسئلہ میں کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ کا اتفاق ہو، نہ تو کسی مجتہد فی المذہب کے لئے یہ جائز ہے، کہ ان کی رائے کے خلاف کرے، نہ کسی اہل علم کے لئے یہ جائز ہے کہ ان کے متفقہ مسلک کے خلاف اپنی راہ نکالے۔

پھر فتاوی "الحاوی القدسی" کے حوالہ سے اسی صفحہ میں لکھا ہے۔

ومتی کان قول ابی یوسف ومحمد موافق قوله لا یتعدی عنه الا فیما مست الیه الضرورة

جب امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول، امام ابو حنیفہ کے قول کے موافق ہو، تو بغیر ضرورت شرعی اس سے روگردانی صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح قاضی اور مفتی کے لئے بھی فتاوی حنفی میں یہ فیصلہ مذکور ہے۔ کہ

وفی فتاوی العلامة ابن الشبلی لیس للقاضی ولا للمفتی العدول عن قول الامام الا اذا صرح احد من المشائخ بان الفتوی علی قول غیره فلیس للقاضی ان یحکم بقول غیر ابی حنیفة فی مسئلة لم یرجح فیها قول غیره ورجحوا فیها دلیل ابی حنیفة علی دلیله فان حکم فیها فحکمه غیر ماض لیس له غیر الانتقاض۔

(ص۲۹)

علامہ ابن الشبلی کے فتاوی میں ہے کہ قاضی او مفتی کے لئے امام ابو حنیفہ کے قول سے روگردا جائز نہیں ہے۔ لیکن صرف ایسی صورت میں ک مشائخ میں سے کسی نے اسکی تصریح کر دی ہو کہ امام صاحب کے غیر کے قول پر ہے۔ پس قاضی کے امام صاحب کے غیر کے قول پر ایسے مسئلہ میں فیص دینا جائز نہیں ہے۔ جس میں امام صاحب کے غی قول کو ترجیح نہ ہو۔ اور اسکی دلیل پر اما کی دلیل کو ترجیح دیا ہو۔ اور ایسی صورت اگر اسکے بارے میں فیصلہ دیگا تو اسکا فیص نافذ نہیں ہوگا۔ اور توڑ دینے کے سوا کو جائز نہ ہوگی۔

اسی طرح النفع الوسائل کے حوالہ سے مقلد کے لئے علامہ طرطوسی کا ی نقل کیا ہے۔

ان القاضی المقلد لایجوز له ان یحکم الا بما ھو ظاھر المذھب لا بالروایة الشاذة الا ان ینصوا علی ان الفتوی علیھا منتھی (ص۱۶)	مقلد قاضی کے لئے جائز نہیں ہے لیکن یہ کہ وہ صرف ظاہر مذہب پر فیصلہ دے۔ روایت شاذہ پر فیصلہ نہ دے۔ لیکن صرف ایسی صورت میں کہ مشائخ نے نص کر دیا ہو کہ فتوی اسی روایت شاذہ پر ہے۔

ان ہر دو تصریحات سے یہ امر واضح ہے۔ کہ ایک مقلد کے لئے جو درجہ اجتہاد سے محروم ہے چاہے وہ قاضی ہو یا مفتی۔ اسکے لئے نہ تو یہ جائز ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور انکے مذہب کے خلاف فیصلہ لکھے یا فتوی دے۔ جب تک کہ مشائخ حنفیہ میں سے کسی نے یہ تصریح نہ کر دی ہو کہ "فتوی امام صاحب کے قول پر نہیں بلکہ غیر کے قول پر ہے" اور اگر کسی مشائخ کی تصریح اس بارے میں نہ ہو۔ اور انہوں نے کسی غیر کے قول کو امام صاحب کے قول پر ترجیح نہ دی ہو۔ تو پھر ایسی صورت میں امام صاحب کے قول کے خلاف حکم جائز نہیں ہوگا۔

اسی طرح ایک مقلد کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ ظاہر روایت کے خلاف فتوے دے۔ اور کسی روایت شاذہ پر عمل کرے۔ لیکن صرف ایسی صورت میں کہ مشائخ حنفیہ کا یہ نص موجود ہو کہ "فتوی اس شاذ روایت پر ہے"۔

ہم اپنے مقام سے غافل نہیں ہیں۔ اسلئے کہ ایک حنفی مقلد کی حیثیت سے "کتاب العشر والزکوۃ" میں ہم نے وہی لکھا ہے جو ائمہ ثلثہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور ظاہر روایت ہے کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوۃ کے مطالبہ کا حق ہے۔ اور فاضل تبصرہ نگار کا حنفی مسلک کے خلاف یہ ارشاد ہے۔ کہ

" اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا تعلق امام و والی سے کسی طرح سے قائم نہیں "۔

فاضل تبصرہ نگار کا تبصرہ اگر حنفی مسلک سے الگ ہو کر ہوتا تو ہم کو کوئی پرخاش نہیں ہوتا، مگر چونکہ فاضل تبصرہ نگار نے اپنے تبصرہ کی بنیاد حنفی مسلک بلکہ حنفی مسلک کے مفتی بہ مسلک پر قرار دیا ہے۔ اور اپنے تبصرہ میں بدیں الفاظ اسکی تصریح کی ہے۔ کہ

" لائق مصنف نے ان مباحث کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ ہمارے نقطۂ نظر سے فقہ حنفی کے مفتی بہ مسائل کے مطابق پورا پورا نہیں اترتا۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل معروضات بہ ترتیب پیش ہیں۔ (معارف منہ اگست)

اسلئے ہم یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ امیر کیلئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کے حق کا انکار کرنا، یہ حنفی مسلک کا مفتی بہ مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ حنفی مسلک کے ظاہر روایت کے بھی خلاف ہے۔ اور ائمہ ثلثہ، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف امام محمد رحمہم اللہ کے متفقہ مذہب کے بھی خلاف ہے۔ جس سے اپنے استدلال بحث کی بنا پر کسی مقلد حنفی کو اختلاف کا حق نہیں ہے۔ جب تک کہ مشائخ حنفیہ کا صریح فتوی نہ ہو کہ ائمہ ثلثہ کے اس قول پر ضرورت شرعی کی بنا پر اب فتوی نہیں ہے۔ اور فاضل تبصرہ نگار کا تبصرہ اس طرح کے فتوے سے خالی ہے۔ ایسی صورت میں فاضل تبصرہ نگار کو یہ سوچنا چاہئے کہ ان کے استدلال اور بحث کا کیا مقام ہے۔ جبکہ علامہ ابن ہمام ایسے بزرگ جو طبقہ حنفیہ میں اہل ترجیح، اور اہل اجتہاد میں سے ہیں۔ ظاہر روایت

ائمہ ثلثہ کے متفقہ قول کے مقابلہ میں ان کی بحث اور استدلال کی صدر کی تصریح کی بنا پر کوئی قیمت نہیں ہے۔

حاصل کلام

بہرحال جہانتک میرے ناقص علم وفہم اور معلومات کا تعلق ہے۔ فقہ کے تمام اسفار، اور تمام متداول کتابیں، اور اسکے تمام فتادے، جہانتک میری نگاہ کی پہونچ ہو سکتی ہے۔ کسی کتاب میں کوئی فتوی اور کوئی تصریح مجکو اس کی نہیں ملی کہ امام کو صرف اموال ظاہرہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق ہے۔ اور اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق نہیں ہے۔ اور اب اسی پر فتوی ہے۔ خصوصًا مولانا کے تبصرہ کے بعد خصوصیت سے میں نے اس بات کی کاوش کی اور کتب فقہ کی طرف مراجعت کی۔ مگر جس یقین کے ساتھ اسکی ابتدا کی تھی، اسی یقین کے ساتھ اسکی انتہا بھی ہوئی۔ اور جستجو کامل کے بعد بھی کوئی چیز ایسی نہ ملی۔ جس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق نہیں ہے۔ اور نہ مولانا کے تبصرہ میں بجز بار بار تکرار دعوی کے اسپر کوئی دلیل ملی۔ رہا مسئلہ تفویض عثمانی۔ اور اسپر عمل۔ تو اسکے متعلق بحث آگے آتی ہے۔ کہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک تفویض کے معنی اسقاط حق کے نہیں ہیں۔ اور یہ بحث بھی کتاب العشر والزکوۃ میں مذکور ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں " سائمہ مویشی اور وہ تجارتی اموال جن کو لیکر تاجر حضرات عاشر پر گذرتے ہیں" اموال ظاہرہ ہیں۔ اور سونا چاندی، اور دو

نہیں جائینگے۔ اور بجائے عامل کے خود ارباب اموال امیر کے نائب ہونگے۔
چنانچہ اسکے متعلق کتاب العشر والزکوۃ میں بدائع کا حوالہ صہ میں مبسوط
کا حوالہ صہ میں فتح القدیر کا حوالہ صہ میں مذکور ہے۔

اس تفویض کے بعد عملی شکل کیا رونما ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے
جو آثار منقول ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے کہ عموماً صحابہ کرام خود بھی اپنی زکوۃ
امیر کو دیتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی یہی فتوی دیتے تھے کہ اپنی زکوۃ امیر
کو ادا کرو۔ کتاب والعشر والزکوۃ کے صہ پر حضرت امام مالک رحمتہ اللہ
کے مدونہ کے حوالہ سے جن بیس اکیس اجلہ صحابہ اور تابعین کا ذکر آیا ہے۔ ان
سب کے متعلق یہ بیان مذکور ہے۔ کہ

کلھم یامر بدفع الزکوۃ الی السلطان ویدفعونھا الیھم۔ یہ کل حضرات امام کو زکوۃ دینے کا حکم کرتے تھے اور خود بھی امام ہی کو اپنی زکوۃ ادا کرتے تھے۔

بمشکل چار پانچ صحابہ کے نام کتابوں کی اوراق گردانی کے بعد ایسے ملتے ہیں۔ کہ
انہوں نے بعض لوگوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے طور پر مستحقین کو دیدیں، والی کو نہ دیں
وہ بھی بعض کے متعلق یہ تصریح ہے۔ کہ انہوں نے انکی اجازت ایسی حالت میں دی
جب کہ بعض والیوں کی جانب سے زکوۃ کی وصولی کے لئے کافر عامل کی تقرری عمل
میں آئی۔ اور بعض کے پیش نظر کوئی دوسری وجہ ہوئی۔ جس کی طرف ان کو توجہ دلا کر
فتوی طلب کیا گیا۔

بہرحال تفویض عثمانی (رضی اللہ عنہ) کے بعد عموماً صحابہ کرام کا عمل زکوۃ کے
باب میں جس شکل اور نوعیت پر تھا "کتاب العشر والزکوۃ" اسی کی طرف مسلمانوں کی

رہنمائی کرتی ہے۔ یعنی کہتی ہے کہ اپنی زکوۃ امیر کو ادا کرو۔ یہ نہیں کہتی ہے کہ عمال جا کر ارباب اموال کے مخفی اور چھپے ہوئے مالوں کو برآمد کریں۔ اور انکے مخزونہ مالوں کی تفتیش کریں۔ اور یوں ارباب اموال کے اوپر مصیبت بن جائیں اور انکو مشقت اور تنگی میں ڈال دیں۔

لہذا ایسی صورت میں تبصرہ میں مولانا کا یہ لکھنا۔ کہ وہ وجہ جو تفویض کے پہلے تھی۔ اور جسکی بنا پر حضرت عثمان نے تفویض کی تھی وہ وجہ " علی حالہ " اب بھی یعنی تفویض کے بعد بھی۔ یا آج امارت شرعیہ صوبہ بہار کے دور تنظیم میں بھی موجود ہے۔ واقعہ سے دور تر ہے۔ اور میری بصیرت اور میری بصارت دونوں کے دونوں اسکا ابا کرتی ہیں۔ فاضل تبصرہ نگار نے اپنے پہلے دعاوی کی طرح اس دلیل کو بھی دعوی ہی کی شکل میں پیش کیا ہے۔ نہ سبب تفویض پر ایک حرف حوالہ قلم کیا، نہ اسکو موجودہ حالت پر تطبیق دی۔ صرف یہ فرما کر سبکدوش ہوگئے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ نے جس سبب سے اس حق کو تفویض فرمایا وہ وجہ " علی حالہ " اب بھی موجود ہے۔

نمبر پنجم کا جواب

مولانا کی دوسری دلیل یہ ہے کہ

" انہوں نے (یعنی حضرت عثمان رضؓ نے) اس تفویض کو صحابہ کرام کے اتفاق رائے سے جاری کیا تھا۔ اسلئے اسکی حیثیت اجماع صحابہ کی ہوئی۔ اب اس میں ترمیم و تنسیخ کلیتہً روا نہ ہو گی (ص ۲۳۹) اجماع صحابہ

کے رد کرنے کا اختیار کسی امام و والی کو بھی حاصل نہیں۔ (ص ۱۰۱)

یہ بالکل صحیح ہے کہ جس مسئلہ پر صحابہ کرام کی رایوں کا اتفاق ہوگا۔ اس کی حیثیت اجماع کی ہوگی۔ زکوٰۃ کے اس خاص مسئلہ میں تفویض عثمانی کی حیثیت "اجماع صحابہ" پر بحث اور اس اجماع صحابہ پر کسی مسئلہ کی تفریع سے پہلے ضرورت ہے کہ اجماع کی قسمیں سامنے آجائیں۔ تاکہ ہم بصیرت کے ساتھ یہ طے کر سکیں کہ تفویض عثمانی کو اجماع اور اتفاق رائے کی کس قسم سے تعلق ہو سکتا ہے۔

اتفاق رائے، اور اجماع صحابہ کی تین صورتیں ہیں۔ قولاً۔ فعلاً، سکوتاً۔ چنانچہ اصول فقہ کی تمام متداول کتابوں میں اجماع کی یہی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ نور الانوار کے الفاظ یہ ہیں:-

رکن الاجماع نوعان عزیمۃ وھو التکلم منھم بما یوجب الاتفاق. ای اتفاق الکل علی الحکم بان یقولوا "اجمعنا علی ھذا" ان کان ذالک الشئی من باب القول، او شروعھم فی الفعل ان کان من بابہ ای کان ذالک الشئی من باب الفعل۔ کما اذا شرع اھل الاجتہاد جمیعا

اجماع کے رکن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم عزیمت ہے۔ (اور عزیمت کی دو صورتیں ہیں) ایک تکلم کرنا تمام لوگوں کا ایسے قول کے ساتھ جو اتفاق کا موجب ہو۔ یعنی تمام مجتہدین کا کسی حکم پر اس طرح اتفاق کر لینا کہ سب کہیں "اجمعنا علی ہذا" یعنی ہم سب لوگوں نے اس پر اجماع کیا۔ بشرطیکہ جس پر اجماع کیا جا رہا ہے اسکا تعلق قول سے ہو (عزیمت کی دوسری صورت یہ ہے) تمام لوگ کسی فعل کو کرنے لگیں وہ عملی چیز ہو۔ جیسا کہ

في المضاربة او المزارعة او الشركة كان ذالك اجماعا منهم على شرعيتها ورخصة	تمام مجتہدین، مضاربہ، مزارعہ، شرکت کے معاملہ کو کرنے لگے۔ یہی فعل ان لوگوں کا اسکی مشروعیت پر اجماع ہو گیا۔ دوسری قسم رخصت
وهو ان يتكلم او يفعل البعض دون البعض اي يتفق بعضهم على قول او فعل و سكت الباقون منهم ولا يردون عليهم بعد مضي مدة التأمل۔	ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بعض مجتہد کا کسی قول یا کسی فعل پر اتفاق ہو۔ اور باقی مجتہدین اسکے متعلق چپ ہوں۔ اور مدت تامل کے گذر جانے کے بعد بھی ان کی جانب سے کوئی رد کوئی مخالفت کا اظہار نہ ہو۔

(ص ۲۱۹)

حاصل یہ کہ اجماع قولی کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب نے "اجمعنا علی ہذا" کہا ہو۔ یعنی ہم سب لوگوں نے اسپر اجماع کر لیا ہے" اور "اجماع فعلی" کیلئے یہ ضروری ہے کہ سب لوگوں نے اس فعل کو عملاً شروع کر دیا ہو اور "اجماع سکوتی" میں بعض کا قول یا بعض کا فعل ہونا کافی ہوتا ہے۔ ہاں اسکے لئے ضروری ہے کہ باقی تمام لوگوں نے خبر پانے کے بعد سکوت کیا ہو۔ اور اس سے قولاً اور عملاً اختلاف نہ کیا ہو۔

اب تفویض عثمانی کو فاضل تبصرہ نگار کے اس تشریح کردہ اسقاط حق کے معنی میں کہ تفویض کے بعد ہمیشہ کے لئے اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق امام کے دائرہ حقوق و اختیار سے خارج ہو گیا۔ اور اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق نہیں رہا۔ مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی

میں نہ اجماع قولی کہہ سکتے ہیں۔ نہ اجماع فعلی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اسکے متعلق صحابہ کرام سے نہ تو قولاً "اجمعنا علیٰ ہذا" منقول ہے اور نہ فعلاً ان سے یہ منقول ہے۔ کہ تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا ہو۔ بلکہ "کتاب العشر والزکوٰۃ" کے صفحہ ۲۴۲ پر مدونہ کے حوالہ سے اجلہ صحابہ کے دس گیارہ نام ایسے گذر چکے ہیں۔ جنکے متعلق یہ بیان ہے کہ یہ حضرات قولاً امام ہی کو زکوٰۃ دینے کا فتویٰ دیتے تھے۔ اور خود بھی اپنی زکوٰۃ امام ہی کو دیتے تھے۔ اور ان کا یہ فتویٰ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے متعلق تھا۔ اسلئے کہ "یامر بدفع الزکوٰۃ الی السلطان کے الفاظ اس امر کے لئے کھلی دلیل ہیں۔ کہ وہ جملہ صحابہ کرام جنکے ناموں کا یہاں ذکر ہے۔ ان کا یہ فتویٰ اموال باطنہ کے متعلق تھا۔ اموال ظاہرہ کی وصولی کے لئے تو عمال خود ارباب اموال کے پاس جاتے تھے کیونکہ فرمان نبوی یہ تھا۔

لا جلب ولا جنب ولا توخذ صدقاتھم الا فی دورھم	نہ کھینچ کر ایک جگہ اکٹھا کرنا درست ہے، نہ دور لے جانا صدقات کو انکے مکان ہی پر وصول کیا جائیگا۔
(ابوداود)	

اور اس پر عہد نبوی سے لیکر عہد صحابہ اور تابعین تک بلا اختلاف عمل تھا۔ اور مدونہ کے مذکورہ بالا حوالہ میں جتنے نام ہیں وہ سب کے سب صحابہ اور تابعین کے ہیں۔

ان اجلہ صحابہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضؓ کا بھی نام ہے۔ جو صحابہ میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے متعلق یہ

فتوی دیتے تھے کہ امام کو دو۔ کتاب الاموال لابی عبید میں قزعہ کی روایت سے حافظ ابو عبید نے سونے چاندی کی زکوۃ کے متعلق حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا یہ فتوی نقل کیا ہے:۔

قال قلت لابن عمر ان لی مالا فالی من ادفع زکوته فقال ادفعها الی ھولاء القوم یعنی الامراء قلت اذا یتخذون بھا ثیابا وطیبا۔ فقال وان اتخذوا بھا ثیابا وطیبا۔

(صفحہ ۵۶۷)

قزعہ نے کہا میں نے عبد اللہ ابن عمر سے پوچھا کہ میرے پاس مال ہے۔ میں اسکی زکوۃ کسکو ادا کروں۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ "امراء" کو دو۔ میں نے کہا وہ لوگ اس سے کپڑے بنائینگے۔ اور عطر لینگے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے کہا۔ اگرچہ وہ اس سے کپڑے بنائیں اور عطر لیں۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے متعلق دوسری روایت کتاب الاموال میں ہے:۔

ان رجلا اتی ابن عمر بصدقة ماله فقال یا ابا عبد الرحمٰن ان ھذہ صدقة مالی۔ فاین تامرنی ان اضعھا۔ فقال ادفعها الی من بایعت

(صفحہ ۵۶۸)

ایک شخص حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں اپنے مال کی زکوۃ لے کر آیا۔ اور پوچھا کہ یہ میرے مال کا صدقہ ہے۔ اسکو آپ کہاں دینے کے لئے فرماتے ہیں۔ فرمایا۔ جس سے بیعت کی ہے اسکو دو۔

پھر اسی سونے چاندی کی زکوۃ کے متعلق کتاب الاموال میں حضرت

سعد بن وقاص، حضرت ابوہریرہ۔ حضرت ابوسعید خدری وغیرہ کا بھی فتویٰ نقل کیا ہے۔ کہ یہ حضرات بھی اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے متعلق یہ فتویٰ دیتے تھے کہ۔ امیر کو دو۔ اور آخر میں جمیع آثار مذکورہ کے متعلق یہ تصریح کر دی ہے۔ کہ

ذلك فی زکوۃ الذھب والفضۃ خاصۃ۔ — یہ سب روایتیں خاص کر کے سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے بارے میں ہیں۔

(کتاب الاموال ص۵۷۳)

بہر حال تفویض عثمانی کو فاضل تبصرہ نگار کے تشریح کردہ اسقاط حق کے معنی میں نہ تو اجماع قولی کہہ سکتے ہیں، نہ اجماع فعلی۔ زیادہ سے زیادہ تفویض عثمانی کو "اجماع سکوتی" کا فرد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر مذکورہ بالا صحابہ کرام کا فتویٰ اور عمل اسکے منافی نہیں سمجھا جائے اور صدر کے مذکورہ بالا بیان کے بعد بھی یہ تسلیم کر لیا جائے کہ "اجماع سکوتی" کی یہ ضروری قید کہ "باقی تمام لوگوں نے خبر پانیکے بعد سکوت کیا ہو، ان صحابہ کرام کے فتویٰ اور عمل سے مجروح نہیں ہے۔

پھر اہل علم کے لئے یہ قابل غور مسئلہ ہے کہ تفویض عثمانی کو فاضل تبصرہ نگار کے تشریح کردہ معنی کی روشنی میں اجماع صحابہ کا فرد تسلیم کر لینے کے بعد صحابہ کرام کی اس جماعت کو جو تفویض عثمانی کے بعد اسکے خلاف فتویٰ دیتے رہے۔ اور اسکے خلاف عمل کرتے رہے "شرع" اور "فتویٰ" کے دربار سے صاحب تبصرہ کے نظریہ کے مطابق ان کے لئے کیا حکم ہوگا؟

پھر سنجیدگی کے ساتھ ہر سمجھدار شخص کے لئے یہ سوچنے کی چیز ہوگی۔ اور اسکے ذہن میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ ان اجلہ صحابہ کو جس میں عبداللہ ابن عمر۔ ابو ہریرہ۔ عائشہ ام المومنین۔ رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ ایسے بالغ نظر صحابہ ہیں۔ جو صحابہ میں مجتہدین کی جماعت میں شمار ہوتے ہیں تفویض عثمانی کا علم تھا یا نہیں؟

اگر علم تھا۔ اور وہ اس میں سکوتی حیثیت سے شریک تھے تو پھر کیا ممکن ہے؟ کہ ان کے متعلق یہ تصور کیا جائے کہ اجماع کے علم کے باوجود ان بزرگوں نے اجماع کے خلاف کیا۔ یا اس میں ترمیم و تنسیخ کی۔ اور اجماع کے وقت میں سکوت سے کام لے کر نعوذ باللہ مداہنت سے کام لیا۔ اور پھر اسکے خلاف فتوی دینے لگے۔

اور اگر علم تھا۔ اور وہ اس میں سکوتی حیثیت سے شریک نہیں تھے۔ بلکہ اسکے خلاف فتوی دیتے تھے تو پھر تفویض عثمانی پر اجماع سکوتی کی تعریف صادق آئیگی؟

اور اگر علم نہیں تھا۔ اور پوری عمر وہ اس سے لاعلم ہی رہے۔ تو ایسی صورت میں بھی اس تفویض عثمانی پر اجماع کی تعریف صادق آئیگی؟ جب کہ اجماع کی تعریف ہے "ایک زمانہ کے جمیع مجتہدین صالحین امت محمدیہ کا ایک امر پر مجتمع ہونا" چاہے یہ اجماع قولی شکل میں ہو، یا فعلی شکل میں ہو، یا سکوتی شکل میں ہو، جس طور پر ہو، اجتماع ہو۔ اور اس کا مدار علم پر ہے۔

بہر حال صحابہ کرام رضؓ کی ایک ذمہ دار جماعت کے ادائے زکوٰۃ کے باب میں مذکورہ بالا عمل اور فتوی کے بعد فاضل تبصرہ نگار کا یہ بیان، محل نظر ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ نے اس تفویض کو صحابہ کرام کے اتفاق رائے سے جاری کیا تھا اسلئے اسکی حیثیت اجماع صحابہ کی ہے"۔

یہاں پھر مجکو فاضل تبصرہ نگار سے پھر یہ شکوہ کرنا پڑتا ہے، کہ یہاں بھی صرف دعوی سے کام لیا گیا ہے۔ نہ تو اسکی زحمت قبول کی گئی کہ کوئی حوالہ اسکے متعلق پیش کرتے۔ کہ حضرت عثمان رضؓ نے اس تفویض کو صحابہ کرام کے اتفاق رائے سے جاری کیا۔ کیونکہ اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا "اتفاق رائے" حاصل کر لیا۔ اس کے بعد تفویض کا اعلان عام فرمایا۔ اور نہ اسکے متعلق سند پیش کی۔ کہ

اس لئے اس کی حیثیت اجماع صحابہ کی ہے۔

حالانکہ فاضل تبصرہ نگار کے نزدیک جو معنی تفویض کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے اس تفویض پر اجماع کی تین صورتوں میں سے کسی صورت کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا ہے۔ بہر حال فاضل تبصرہ نگار کے نزدیک اپنی تشریح کردہ تفویض پر کیا سند ہے۔ اسکے متعلق ایک حرف حوالہ قلم نہیں کیا۔

پھر فاضل تبصرہ نگار نے اپنے مقالہ میں اس پر بھی کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے کہ کیوں تفویض عثمانی سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق و اختیار امام کو نہیں رہا۔ بلکہ اس کا یہ حق ساقط ہو گیا۔ جب کہ

امام کا یہ حق کتاب - سنت - آثار - اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے - اور
اجماع کے متعلق صاحب تبصرہ کا فیصلہ یہ ہے - کہ

"اجماع کے رد کرنے کا اختیار کسی امام و والی کو نہیں ہے" (ص ۱۰۵)

پس ایسی صورت میں کہ امام و والی کو رد کا اختیار نہیں ہے - تو فاضل مقالہ نگار کا ذہن رسا کیوں اسطرف نہیں گیا کہ ایسی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تفویض سے امام کا وہ حق کیسے باطل ہو گا جو اجماع صحابہ سے ثابت ہے - اور وہ بھی اتنا بڑا عظیم الشان اجماع جو عہد فاروقی کا ہو - اور ان کی تفویض کو ایسے معنی پر محمول کرنا کیسے درست ہو گا - جو انکے حیطہ اختیار سے باہر تھا - اسی کی طرف "کتاب العشر والزکوۃ" میں ہم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا تھا -

"بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو کچھ ہوا - اسکا حاصل صرف یہ ہے کہ اسکی حیثیت محض تفویض - توکیل کی تھی - حق امام کے اسقاط کی نہیں تھی - اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا اختیار تھا کہ کتاب وسنت کے نص صریح کے خلاف وہ کوئی عمل کریں یا فتوی دیں - خصوصاً جبکہ انکی عملی زندگی کا یہ حال تھا کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متفقہ فیصلہ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دیتے تھے - (کیونکہ بیعت خلافت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اسکا اقرار لیا گیا تھا کہ وہ امور خلافت میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ

سیرت شیخین کو اپنا دستور العمل بنائینگے۔ (ص ۹۳)

دو ضروری باتیں

اس جگہ دو ضروری باتوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ایک یہ کہ میرے سامنے بدائع الصنائع کی وہ عبارت ہے جو ہم نے کتاب العشر والزکوۃ" کے ص ۶۰ میں نقل کیا ہے بدائع الصنائع کی اس عبارت میں اجماع کا لفظ آیا ہے۔ مگر اسی عبارت میں یہ تصریح بھی موجود ہے۔ کہ یہ تفویض توکیل کو مستلزم ہے۔ یعنی اس تفویض سے ارباب اموال کی حیثیت امام کے وکیل کی ہوگی۔ لہذا وصول زکوۃ کا حق جو امام کو ہے۔ وہ باطل نہیں ہوگا۔ یعنی امام کو اصالۃً رہیگا۔ اور ارباب اموال کو نیابۃً اور وکالۃً رہیگا۔

یعنی صاحب بدائع الصنائع کے نزدیک جو تفویض اجماع صحابہ سے وقوع میں آئی ہے وہ "وہ تفویض" نہیں ہے جس سے امام کے اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی اور مطالبہ کا حق باطل ہو جاتا ہے۔ اور فاضل تبصرہ نگار کے نزدیک جو تفویض اتفاق رائے صحابہ سے عمل میں آئی ہے اس سے امام کا یہ حق باطل ہو جاتا ہے۔ لہذا بدائع الصنائع کی یہ عبارت ان کے لیے یہ مفید مدعا نہیں۔ بلکہ اسکے برعکس ہے۔ اور ان کے مخالف ہے۔ جس سے فاضل تبصرہ نگار کی تبصرہ کی ساری عمارت ڈھیر ہو جاتی ہے۔ بدائع الصنائع کے الفاظ یہ ہیں

فلما كثرت الاموال فى زمانه
وعلم ان فى تتبعها زيادة
ضرر باربابها - رأى المصلحة
فى ان يفوض الى اربابها
باجماع الصحابة - فصار
ارباب الاموال كالوكلاء
عن الامام الا ترى انه قال
من كان عليه دين فليؤده
وليتزك ما بقى من ماله
فهذا توكيل لارباب الاموال
باخراج الزكوة فلا يبطل حق
الامام عن الاخذ الخ

(صفحہ ۲/۲۲)

پھر جب حضرت عثمان رض کے زمانہ میں مال کی کثرت
ہوگئی اور حضرت عثمان رض نے یہ سمجھا کہ ان مالوں کی
تفتیش میں صاحب اموال کے لئے بہت زیادہ
نقصان وضرر ہے تو صحابہ کرام کے اتفاق رائے سے
حضرت عثمان رض نے مصلحت یہ دیکھا کہ ارباب اموال کو
(ادائگی زکوۃ کا حق) تفویض کر دیا جائے پس یہ
ارباب اموال امام کے وکیل کی طرح ہیں - کیا تم نہیں
دیکھتے ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (ارباب
اموال سے) کہا کہ جس شخص پر دین ہو وہ اپنے دین کو
ادا کرے - اور مابقیہ مال کی زکوۃ ادا کرے -
پس یہ اعلان ادائگی زکوۃ کے لئے ارباب مال کو
وکیل بنانا ہے - لہذا وصولی زکوۃ کا حق جو امام
کو ہے - وہ باطل نہیں ہوگا -

نیز میرے سامنے فتح القدیر کی وہ عبارت بھی ہے جس کو ہم نے کتاب العشر والزکوۃ"
کے صفحہ میں نقل کیا ہے - اس میں اجماع کا لفظ تو نہیں ہے - لیکن یہ ضرور ہے
کہ حضرت عثمان رض کی اس تفویض پر کسی صحابہ نے اختلاف نہیں کیا - مگر اسی کے
ساتھ امام کے حق کے متعلق یہ تصریح بھی موجود ہے - کہ کسی طرح بھی یہ تفویض
امام کے حق کو (جو اموال باطنہ کے متعلق ہے) ساقط نہیں کرتی ہے -
فتح القدیر کی عبارت یہ ہے :-

فلما ولی عثمان وظهر تغیر الناس کرہ ان تفتش السعاۃ علی الناس مستور اموالهم ففوض الدفع الی الملاك نیابة عنه ولم یختلف الصحابة علیه فی ذالك وهذا لا یسقط طلب الامام اصلا۔

(ص ۲۸۸ ج ۱ مصری)

پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ اور انکے دور میں لوگوں کے اموال میں بھی تغیر ہوا (یعنی مال کی کثرت ہوئی) تو حضرت عثمانؓ کو یہ امر ناپسند معلوم ہوا کہ سعاۃ (یعنی قبائل کے گھر پر صدقہ وصول کرنے والے عاملین) لوگوں کے چھپے ہوئے مال یعنی اموال باطنہ کی تفتیش کریں اسلئے انہوں نے ارباب مال کے ذمہ یہ خدمت سپرد کردی کہ اموال باطنہ کی زکوۃ خود ہمارے نائب بنکر ادا کیا کرو۔ اور انکی اس تفویض پر کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرنے کا حق امام کو نہیں رہا۔ اور یہ حق ساقط ہوگا۔

دوسری بات یہاں کسی طرح فراموش نہیں کرنے کی یہ ہے کہ تفویض عثمانی کے اجماع ہونے پر جو کچھ اعتراضات اور خدشات صدر کے معروضات میں پیش ہوئے ہیں۔ اسکی بنیاد اس پر ہے۔ کہ تفویض عثمانی کے معنی لائق تبصرہ نگار نے ابطال حق امام کے لئے ہیں یعنی امام کو اب تفویض عثمانی کے بعد اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق نہیں رہا۔ اور اسکو اجماعی مسئلہ قرار دیا۔ اور اسکی حیثیت اجماع صحابہ کی ٹھہرایا۔

اس بنیاد پر صحابہ کرام کا فتوی اور انکا عمل، اور اجماع کی تعریف اور اسکی قسمیں سب ایک ایک کرکے لامحالہ سامنے آئیں اور اسکی اجماعی حیثیت

محل نظر بن گئی۔ ورنہ اگر تفویض عثمانی کو اس معنی کے اعتبار سے اجماع قرار دیا جائے کہ امام کو اپنے حق اختیار کے متعلق وکیل و نائب بنانے کا حق و اختیار ہے۔ اور ہر آنے والے امام کے لئے اسکی گنجائش ہے کہ وہ بھی اپنا وکیل و نائب بنائے۔ تو پھر نہ اجماع صحابہ پر اعتراضات لازم آئینگے، اور نہ خدشات وارد ہونگے۔ اور نہ صحابہ کرام کا فتوی۔ اور عمل اسکے مخالف ہوگا۔ کیونکہ نائب بنانے کے معنی نہ تو یہ ہونگے کہ امام کا حق ساقط و باطل ہوگیا۔ کیونکہ نائب ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اصل حق اخذ زکوۃ کا امام کو ہے۔ اور نہ اسکے معنی یہ ہونگے کہ ارباب اموال پر یہ لازم ہوگیا کہ وہ امیر کو نہ دیں اور اسکے بیت المال میں داخل نہ کریں۔ ان کا ایسا کرنا تفویض عثمانی کے خلاف ہوگا۔ میرے نزدیک تفویض عثمانی کی اصل روح "صرف یہ ہے کہ عمال اور "سعاۃ" اب ارباب اموال کے مال کی تفتیش کے لئے امیر کی طرف سے نہیں جائینگے۔ اور بیت المال کا محکمہ ان کو مستور اموال کی زکوۃ کی وصولی کے لئے نہیں بھیجے گا۔ بلکہ ارباب اموال نائب کی حیثیت سے زکوۃ ادا کرینگے۔ اور اس حالت میں بھی نائب ہونے کی جہت سے اصل حق امام ہی کو رہیگا۔

اب ارباب اموال تفویض کی حالت میں کیا کریں؟ اور انکا فریضہ کیا ہے؟ تفویض عثمانی کی وہ عبارت جو فتح القدیر وغیرہ میں منقول ہے۔ اس باب میں مجمل ہے۔ اسلئے ارباب علم اس میں مختلف الرائے ہوگئے ہیں۔ بعض فقہائے امت جیسے فقہاء حنفیہ ارباب اموال کو تفویض امام کی صورت میں یہ اجازت دیتے ہیں کہ وہ خود بھی اپنی زکوۃ فقراء مستحقین

کو ادا کر سکتے ہیں۔ اور بعض امام ہی کو دینے کو کہتے ہیں۔ جیسے امام مالک رح[1]
لیکن کسی اہل علم نے اور فقیہ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ امام کی جانب سے تفویض نہ
نہ ہو بلکہ مطالبہ ہو۔ اس صورت میں بھی ارباب اموال کا خود سے اپنی زکوۃ کو
فقراء اور مستحقین کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ جیسا کہ آج صوبہ بہار کا معاملہ ہے۔

---

[1] فقہا کی دونوں رایوں میں سے میری ذاتی رائے کا رجحان اس مسئلہ میں دوسری جماعت کے ساتھ ہے۔ اسلئے کہ نیابتہ عنہ کے لفظ سے ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔ کہ نائب ہونیکی حیثیت سے ارباب اموال کو وہی کرنا چاہئے جو نائب ہونے کی حیثیت سے عمال کرتے تھے۔ یعنی امیر کے پاس پہنچانا۔ اور بیت المال میں داخل کرنا۔ اسکے علاوہ صحابہ کرام کے حسب ذیل فتاوی بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

(۱) عن سهيل بن ابى صالح عن ابيه قال سالت سعد بن ابى وقاص وابا هريرة وابا سعيد الخدرى وابن عمر فقلت ان هذا السلطان يصنع ما ترون افادفع زكوتى اليهم۔ قال فقالوا كلهم ادفع اليهم

(كتاب الاموال لابى عبيد ص ۵۶۸)

سہیل کہتے ہیں کہ میرے والد نے حضرت سعد بن وقاص۔ حضرت ابوہریرہ۔ حضرت ابوسعید خدری حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے پوچھا۔ کہ ہمارے سلطان جو کچھ کرتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے کیا پھر بھی ہم ان کو اپنی زکوۃ دیں۔ میرے والد نے فرمایا۔ سب لوگوں نے متفقہ جواب دیا۔ ان ہی کو زکوۃ ادا کرو۔

(۲) عن عطاء عن ابن عمر قال

عطا حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ

پورے مقالہ میں بدائع الصنائع کا صرف ایک اقتباس ملتا ہے۔ جو احناف وشوافع کے ایک اختلافی مسئلہ کے سلسلہ میں اپنے مقصد کے لئے دلالت التزامی کے طور پر صاحب تبصرہ نے پیش کیا ہے۔ جس پر نمبر ششم میں بحث آرہی ہے

ادفعو الزکوۃ الی الامراء فقال له رجل انھم لایضعون مواضعھا فقال۔ دان۔ (ج۲ ص۵۶۹)	حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا لوگو زکوۃ اپنے امیر کو ادا کرو۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ لوگ تو زکوۃ کی رقم کو اسکے مصارف میں خرچ نہیں کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کہ اگرچہ وہ صحیح مصرف میں نہ خرچ کرتے ہوں تم زکوۃ اُن ہی کو دو۔
(۳) من ربیع بن عبید۔ انه سال ابن عمر فی الفتنة عن صدقة مال الایتام ایدفعھا الی بنی عم لھم محتاجین۔ قال لا ادفعھا الی الولاۃ۔	فتنہ کے زمانہ میں ربیع ابن معبد نے حضرت عبد اللہ ابن عمر سے یتیم کے مال کی زکوۃ کے متعلق پوچھا کہ چچیرے بھائی جو محتاج ہیں ان کو زکوۃ دی جائے۔ جواب دیا کہ نہیں؛ ۔ زکوۃ کی رقم والیوں کو ادا کرو۔

ان فتاوی اور اسکے علاوہ اور فتاوے جسکو فقہاء کی پہلی جماعت سے تعلق ہے ذکر کرکے یہ تصریح کردی ہے کہ ذالک فی ذکوۃ الذھب والفضة خاصة (ص۵۷۳)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ جس پر تفصیل سے ہم روشنی "کتاب العشر والزکوۃ" کے صنہ کے حاشیہ میں ڈال چکے ہیں۔ اس بحث کو وہیں ملاحظہ کیا جائے۔

لیکن اس کو انکے مدعا سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

نمبر ششم کا جواب

احناف و شوافع کے مشہور اختلاف کے سلسلہ میں بدائع الصنائع کا جو اقتباس

پھر مزید براں حضرت ابن سیرینؒ کی روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیات تک ارباب اموال خود اُن ہی کو زکوٰۃ دیتے تھے۔ یا انکے عمال کو دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفویض عثمانی کے معنی وہی صحیح ہیں جنکی طرف میں نے نیابۃً عنہ سے اشارہ کیا ہے۔ اختلاف اس باب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیدا ہوا ہے جبکہ اصل مسئلہ خلافت اور امارت بھی اختلاف سے محفوظ نہ رہا تھا۔ اور ہر طرف سے ہر طرح کے تحزب اور تشتت نے سر اُٹھایا تھا۔ پھر جو کچھ ہوا اور جسطرح ہوا، وہ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ کا حسرتناک باب ہے۔ بہر حال ابن سیرینؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

عن ابن سيرين قال كانت الصدقة ترفع او قال تدفع الى النبي صلى الله عليه وسلم او من امر به والى ابي بكر او من امر به - او الى عمر او من امر به - فلما قتل عثمان اختلفوا - فكان منهم	حضرت ابن سیرینؒ کی روایت ہے کہ زکوٰۃ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا جو مامور ہوتے تھے ان کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی۔ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں، یا جو مامور ہوتے تھے۔ انکی خدمت میں پیش کی جاتی تھی جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو لوگوں

لائق تبصرہ نگار نے پیش کیا ہے۔ اس میں اموال باطنہ کے متعلق یہ تصریح ہے۔

لان اداء زکوۃ الاموال الباطنۃ	اسلئے کہ اموال باطنہ کی زکوۃ کی ادائی۔
مفوض الی اربابھا اذا کانوا	ان کے مالکوں کو تفویض ہو چکی ہے۔ جبکہ وہ شہر
یتجرون بھا فی المصر فلم یتضمن	کے اندر ان کی تجارت کرتے ہوں۔ اس لئے
الدفع بنفسہ ابطال حق احد	خود سے دیکر انہوں نے کسی کے حق کو باطل
(بدائع الصنائع ص۳۷ ج۲)	نہیں کیا۔

من یدفعھا الیھم - ومنھم	میں اختلاف ہوا۔ اس بنا پر بعض لوگ ان ہی
من یقسمھا۔	سے والیوں کو زکوۃ دیتے تھے۔ اور بعض لوگ
(کتاب الاموال لابی عبید ص۵۶۸)	تقسیم کر دیتے تھے۔

پھر تفویض عثمانی کے متعلق جو معنی ہم بیان کرتے ہیں۔ امام دار الہجرت حضرت امام مالک رح کا مسلک بھی وہی ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ امام عادل کی موجودگی میں کسی مسلمان کو اسکی گنجائش نہیں ہے کہ سونا چاندی یا اسکے علاوہ کسی اور چیز کی زکوۃ خود سے تقسیم کرے۔ لیکن سونا چاندی کی زکوۃ وہ خود سے امام کو ادا کریگا۔ اور سائمہ جانور کی زکوۃ اور عشر جو اموال ظاہرہ ہیں۔ ان کی وصولی کے لئے امام محصل بھیجے گا۔ اور یہ رائے انکی تفویض عثمانی کے پیش نظر رکھکر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس رائے کی بنیاد تفویض عثمانی پر رکھتے ہیں۔ اور اس سے استدلال کرتے ہیں تفویض عثمانی کے تعین مفہوم وتخصیص مراد اور عملی حیثیت کے متعلق نہایت قیمتی فیصلہ ہے۔

"کتاب العشر والزکوۃ" کے ص۶۷ و ص۶۸ پر ان کا یہ مسلک اور فتویٰ مدونہ سے مذکور ہے۔ ۱۲

اسپر صاحب تبصرہ یہ تصریح کرتے ہیں۔

"اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کو حاصل ہے۔ اسطرح اموال باطنہ کی وصولی کا حق اس کو حاصل نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسلئے کہ صاحب مال نے خود اپنے حق کو استعمال کیا اور اس کو اس حق کے استعمال کرنے میں کسی طاقت کو روکنے کا حق حاصل نہیں۔ اور نہ خود امام اور اسکے قائم مقام کو اپنے حق اور حدود سے تجاوز کرنے کا اختیار حاصل ہے"۔ (ص ۹۵)

"بدائع الصنائع" کے اقتباس بالا سے فاضل تبصرہ نگار کا یہ سمجھنا۔ ک اموال باطنہ کی وصولی کا حق اسکو (یعنی امام کو) حاصل نہیں" صحیح نہیں ہے اس اقتباس کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ چونکہ اموال باطنہ کے متعلق امام کی جانب سے تفویض ہے۔ اور وہ تفویض ہنوز موجود ہے۔ یعنی امام اپنی تفویض کی بنا پر مطالبہ نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ مطالبہ کا ترک ہے۔ اور ارباب اموال کو اسکی ا بحیثیت نائب کے امام سے مل چکی ہے۔ کہ خود سے فقراء اور مستحقین زکوٰۃ کو ز کی رقم ادا کریں۔ تو ایسی صورت میں ارباب مال کی جانب سے امام کے حق کا ابطال لازم نہیں آئیگا۔

پھر ایسی صورت میں کہ امام کی طرف سے مطالبہ نہ ہو۔ اموال ظاہرہ کے متعلق بھی فتوی یہ ہے کہ ارباب اموال خود سے ادا کر دینگے تو وہ بری ہو جائینگے۔ یعنی امام ان سے دوبارہ وصول نہیں کریگا۔ کتاب العشر والز

کے ص۲۶ میں شرح السیر الکبیر کا حوالہ جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر روایت پر مبنی ہے، گذر چکا ہے۔ جو اس باب میں قول فیصل ہے۔

بدائع الصنائع کی عبارت فلم تیتضمن الدفع بنفسہ ابطال حق احد" (جس میں ابطال حق احد کے الفاظ کو جلی کر کے لکھا گیا ہے) اس کا مفاد یہ کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ امام کو وصولی کا حق حاصل نہیں۔ بلکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ بصورت تفویض ارباب مال کا خود سے دینے میں امام کے حق کا ابطال نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ ارباب مال جو کچھ کر رہے ہیں وہ امام کی اجازت سے کر رہے ہیں۔ اور امام کے وکیل کی حیثیت سے کر رہے ہیں۔

چنانچہ کتاب العشر والزکوۃ کے ص۳۲ میں بدائع الصنائع" کے حوالہ سے واضح لفظوں میں یہ تصریح گذر چکی ہے۔ کہ تفویض توکیل ہے۔ اسلئے وصولی زکوۃ کا جو حق امام کو ہے۔ وہ باطل نہیں ہوگا۔ لہذا" بدائع الصنائع" کے اقتباس مذکور کا یہ مفاد کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ جو فاضل تبصرہ نگار نے اس سے سمجھا ہے اسی طرح فتح القدیر میں بھی اسکی تصریح ہے کہ اس تفویض سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرنے کا حق امام کو نہیں رہا۔ ان دونوں کتابوں کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے۔

پھر اسی طرح علامہ ابو بکر جصاص نے اس قاعدہ کے ماتحت "قال ابو حنیفہ کل صدقۃ لیس اخذھا الی الامام فجائز اعطاءھا اھل الذمۃ" (امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ہر وہ صدقہ جسکی وصولی امام کے لئے نہیں ہوتی ہے ذمی کافر کو دینا جائز ہے۔) ایک اعتراض کے جواب میں اس بات کی تصریح کر دی ہے

کہ تفویض عثمانی سے امام کیلئے اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق ساقط نہیں[۱]
ہوا۔ اور زکوۃ کی وصولی قاعدہ کے اعتبار سے اصولاً امام ہی کیلئے ہے

فتیں اخذ ھا فی الاصس الی الامام وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ ھا وکذا ابوبکرؓ

جواب دیا جائیگا کہ زکوۃ کی وصولی اصولاً امام ہی کیلئے ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ اور ایسے ہی حضرت ابوبکر

۱ے رہا یہ مسئلہ کہ خود اس امام کو جس نے اپنے حق کی تفویض کیا ہو۔ تفویض کے بعد تفویض بحال رکھتے ہوئے۔ تفویضی ایام میں عملاً اخذ زکوۃ کر سکتا ہے۔ تو اسکے متعلق فقہا لکھتے کہ "لیس لہ ذالک"۔ امام کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔ اسکے متعلق اگلے صفحات پر بدائع کا حوالہ ملیگا۔ اور اسی حالت کے متعلق علامہ جصاص رازی نے یہ لکھا ہے۔ کہ

سقط من اجل ذالک حق الامام فی اخذھا (احکام القرآن ص ۱۱۵ ج ۳)

اس تفویض کی بنا پر امام کا حق وصولی زکوۃ بارے میں ساقط ہو گیا۔

مقصد یہ کہ امام کو تفویض کی صورت میں تفویضی ایام میں عملاً وصولی کا حق نہیں رہا۔ انکی یہ مراد دلیل سے واضح ہو جاتی ہے جو اسکے بعد ہی وہ لکھتے ہیں۔

لانہ عقد عقدہ امام من ائمۃ العدل فھو نافذ علی الامۃ (")

اسلئے کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس معاملہ کو ائمہ عدل میں سے ایک امام نے کیا ہے۔ وہ امت پر نافذ ہو گا۔

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جو معاملہ تفویض حضرت عثمانؓ نے کیا تھا۔ وہ توکیل اور ارباب اموال کو نائب بنانا تھا۔ آنیوالے امام کے اس حق کو ساقط کرنا نہ تھا

عمر فلما كان عثمان قال	اور عمر وصول کرتے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ
ناس ان هذا شهر زكوتكم	ہوئے تو آپ نے اعلان کیا کہ یہ زکوۃ کا مہینہ ہے۔
من كان عليه دين فليؤده	جس شخص پر قرض ہو وہ قرض کو ادا کرے پھر بقیہ
م ليترك بقيته مالہ فجل	مال کی زکوۃ ادا کرے۔ پس حضرت عثمانؓ

ان کے لئے کتاب و سنت کے نص صریح۔ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت
ان رضؓ کو اسکا حق بھی نہ تھا۔

بہرحال امت کے ہر امام پر تفویض عثمانی کی بنا پر یہ حکم نافذ ہوگا کہ جب وہ تفویض
نگے۔ تو تفویضی صورت میں ان کے لئے مطالبہ صحیح نہیں ہوگا۔ پس علامہ جصاص
عبارت سقط من اجل ذالك حق الامام کا تعلق امام کے جمیع احوال سے
ہے۔ بلکہ صرف تفویضی حالت سے ہے۔ اسلئے کہ امام کے جمیع احوال سے اس کو
لق سمجھنا یہ خود انکے اپنے قول اور اپنی تصریح لم یسقط ذالك حق الامام۔
خلاف ہوگا۔ اور لازم آئیگا کہ ایک ہی تفویض کی بنا پر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام کا
ساقط نہیں ہوگا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ امام کا حق ساقط ہوگیا۔ اور اسکے علاوہ ظاہر
ایت کے بھی خلاف ہوگا۔ اور ائمہ ثلثہ حنفیہ یعنی امام ابوحنیفہ۔ امام ابو یوسف
م محمد رحمہم اللہ کے متفقہ قول کے بھی خلاف ہوگا۔ اور رسم المفتی کی بحث میں یہ معلوم
چکا ہے کہ ظاہر روایت اور ائمہ ثلثہ کے متفقہ مسئلہ سے اختلاف کرنے کا حق نہ کسی
بد کو ہے۔ نہ کسی مقلد کو۔ جب تک کوئی صریح نص اس پر نہ ہو۔ کہ فتوی اب ائمہ
کے متفقہ قول اور ظاہر روایت پر نہیں ہے۔ کیونکہ کسی فقیہ کے استدلال اور بحث سے

ارباب الاموال وکلاء نے ارباب اموال کو ادائیگی زکوۃ میں اپنا وکیل
له فی ادائها لم یسقط بنایا۔ اور امام کا حق زکوۃ کی وصولی کے متع
ذالك حق الامام (صب ۲۶۲ / ج ۲) (جو شرعًا ہے) وہ ساقط نہیں ہوا۔

بہرحال ان تصریحات کے بعد اور خود بدائع الصنائع کی اس غیر مبہم تصریح

نہ ائمہ ثلثہ کے قول کو چھوڑا جا سکتا ہے، نہ ظاہر روایت کو ترک کیا جا سکتا ہے۔

ایک تنبیہہ

عموماً ان لوگوں سے جو فقہی مہارت نہیں رکھتے ہیں۔ یہ غلطی ہو جاتی ہے کہ فق
کی عبارت کو اسکے غیر محل پر محمول کر دیتے ہیں۔ اور ظاہر عبارت سے ان کو دھوکا ہو جاتا
کیونکہ انکے سامنے وہ شروط اور قیود نہیں ہوتے ہیں جو بسا اوقات فقہا اہل علم کی فہم
فہم پر اور انکی مہارت علمی پر اعتماد کر کے ساقط کر دیتے ہیں۔ اور اسکی تصریح نہیں کر
ہیں۔ مثلاً علامہ جصاص کی یہ عبارت جو احکام القرآن کی تیسری جلد میں ہے۔ ا
میں مطلقاً "سقط من اجل ذالك حق الامام فی اخذها" ہے۔ ا
اس میں حالت تفویض" کی قید لفظوں میں نہیں ہے۔ اب اس سے ان لوگوں کو دھ
ہوگا۔ جیسی کی نظر علامہ جصاص کے تمام اقوال پر اور مسئلہ کے تمام پہلو پر نہیں ہے۔
مذہبی مسائل میں قلم پکڑنے والوں پر یعنی فتوی کی خدمت انجام دینے والوں پر متق
نے اجتہاد کی شرط لگائی تھی۔ اور یہ چونکہ عموماً اس زمانہ میں مفقود ہے۔ اسلئے کم
جو چیز ضروری قرار دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسائل کی معرفت انکی شروط اور قیو
کے ساتھ رکھتا ہو۔ کیونکہ فقہا اپنی عبارتوں میں اہل علم کی فہم پر اعتماد کرتے ہیں

بعد کہ امام کا حق باطل نہیں ہوگا:" بدائع الصنائع کے اقتباس مذکور سے یہ
جہ نکالنا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اموال باطنہ کی وصولی کا حق اسکو (یعنی امام
) نہیں ہے۔ بالکل ظاہر ہے۔ اور تاویل بما لا یرضی بہ قائلہ کے حکم میں ہے۔

صاحب بدائع الصنائع تو امام کے اموال باطنہ کی زکوۃ کے مطالبہ
حق کے متعلق تفویض عثمانی کے بعد یہ فیصلہ دیکر کہ

ضمن التوکیل لارباب الاموال
خراج الزکوۃ فلا یبطل حق
الامام حق الاخذ۔

پس یہ اعلان ادائیگی زکوۃ کے لئے ارباب اموال کو
وکیل بنانا ہے۔ لہذا وصولی زکوۃ کا حق جو امام
کو ہے۔ وہ باطل نہیں ہوگا۔

امام کے حق مطالبہ اور وصولی زکوۃ کی بقا پر یہ مسئلہ متفرع کرتے ہیں کہ

یادہ تر شروط اور قیود کی تصریح نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اسکو عبارت سے ساقط کر دیتے
یں۔ علامہ ابن عابدین "عقود رسم المفتی" میں لکھتے ہیں۔

ان المتقدمین شرطوا فی
لمفتی الاجتہاد وھذا مفقود
ی زماننا فلا اقل من ان یشترط
یہ معرفۃ المسائل بشروطہا
قیودھا التی کثیرا ما یسقطونہا
لا یصرحون بہا اعتمادا علی
ھم المتفقہ۔ (ص ۴۶)

متقدمین نے مفتی کے بارے میں اجتہاد کی شرط
لگائی ہے۔ اور یہ ہمارے زمانہ میں مفقود ہے۔ اسلئے
کم سے کم مفتی کے حق میں یہ شرط ہے کہ مسائل کی معرفت
ان شروط اور قیود کے ساتھ ہو۔ جنکو زیادہ تر فقہا
فقہ کے حاصل کرنے والے کی فہم پر اعتماد کرکے
ساقط کر دیتے ہیں۔ اور ان کی تصریح (عبارت
میں) نہیں کرتے ہیں۔

چونکہ امام کا حق وصولی زکوۃ تفویض عثمانی کے بعد باقی رہتا ہے۔ اور اسکا حق باطل نہیں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں امام اموال باطنہ کی زکوۃ کا مطالبہ کریگا جب امام کو معلوم ہو کہ شہر کے لوگوں نے اموال باطنہ کی زکوۃ کی ادائیگی ترک کر دیا ہے۔

بدائع الصنائع کے الفاظ یہ ہیں :-

ولھذا قال اصحابنا ان الامام اذا علم من اھل بلدۃ انھم یترکون اداء الزکوۃ من الاموال الباطنۃ فانہ یطالبھم بھا۔ (صفحہ ۲/۲)

اور اسی لئے (کہ امام کے وصول کرنے کا حق باطل نہیں ہوتا ہے) ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے۔ کہ جب امام کو کسی شہر کے متعلق معلوم ہو کہ انہوں نے اموال باطنہ کی زکوۃ کا ادا کرنا چھوڑ دیا ہے تو ان سے انکی زکوۃ طلب کریگا۔

مگر صاحب تبصرہ کی بصیرت اس سے یہ ظاہر فرما رہی ہے کہ انکے نزدیک حضرت عثمان کی تفویض کے بعد اب کسی امام کو اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق حاصل نہیں۔

نمبر ہفتم کا جواب

تفویض کے دائمی اور مستقل ہونے پر مولانا کی یہ دلیل کہ کتب فقہ میں بیت المال کی آمدنی کی مدمیں اموال باطنہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے متعلق غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر مولانا کا مطلب یہ ہے کہ فقہ کی ان کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ جو کتابیں اس عہد میں لکھی گئی ہیں، جس عہد میں

یفی پر عمل تھا۔ اور امام و امیر نہ اموال باطنہ کی زکوۃ کا مطالبہ کرتا تھا۔
صول کرتا تھا، تو بیشک اس زمانہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔
فقہ حنفی کی تمام کتابیں تفویضی عہد کی ہیں۔ اگر ان میں ذکر ہوتا تو واقعہ
بھی خلاف ہوتا۔ اور مسئلہ کے بھی۔ کیونکہ ایام تفویض میں قانوناً اموال
نہ بیت المال کی آمدنی کی مد کی چیز ہوتے ہی نہیں ہیں۔ پھر ان کا بیت المال
مدنی کی مد کے سلسلہ میں تحریر کرنا کیسے درست ہوتا۔ اور فقہائے کرام
غلطی کیونکر کرتے۔ ان ایام کی کتابوں میں اس کے ذکر کی اس حیثیت سے
تو ہی بہت بڑی فقہی غلطی ہے۔ لہذا آمدنی کی آئینی مدات میں اس کے
ذکر کو تفویض کے دوام اور استقلال سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

اور اگر مولانا کا مقصد یہ ہے کہ فقہ کی ان کتابوں میں ذکر نہیں ہے۔ جو
ب اس عہد میں لکھی گئی ہیں جس عہد میں تفویض پر عمل نہیں تھا۔ بلکہ امام اور
تابعین اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتے تھے۔ تو مولانا نے اپنے تبصرہ
س کے متعلق کسی کتاب کی تعین کرتے پھر اسکا کوئی اقتباس پیش کرتے۔
بھو باوجود وصولی کے بیت المال کی آمدنی میں فقہا کا ذکر نہ کرنا۔ اس بات
یں ہے کہ شرعاً امام کے بیت المال کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ باقی
رسالت اور عہد خلافت شیخین، اور عہد خلافت عثمانی جس میں اموال
کی زکوۃ کی وصول ہوتی تھی۔ اس میں کس طرح اسکی وصولی ہوتی تھی۔
تذکرہ جستہ جستہ ضمنی طور پر موجودہ فقہ میں مذکور ہے۔ بہر حال فاضل
نگار کی یہ دلیل محل نظر ہے۔ اور اُن کا دعوی بار ثبوت سے عہدہ برآ نہیں ہے۔

نمبر ہشتم کا جواب

مولانا کا یہ لکھنا۔ کہ

"عہد عثمانی سے دورحاضر تک کی اسلامی حکومتوں میں سے کسی شرعی حکومت میں اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق امام کو حاصل نہیں رہا۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکو صرف اپنے زمانہ کیلئے کیا ہوتا۔ تو بعد کے زمانہ میں کسی نہ کسی ایک حکمران کے دور میں تو ہوسکتا تھا۔ کہ فیصلہ عثمانی یعنی تفویض کو رد کرکے اس حق کو امام دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا۔ (ر، صـ۹۹)

صحیح نہیں ہے۔ "کتاب العشر والزکوۃ" کے صـ بر "شرح معانی الا... سے حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمہ کے متعلق یہ مذکور ہے۔ کہ وہ اموال باط... کی زکوۃ وصول کرتے تھے۔ اور اسکے لئے عمال کو تاکیدی خط لکھتے تھے۔ ... یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ عہد عثمانی سے دور حاضر تک کی اسلامی حکوم... میں سے کسی شرعی حکومت میں اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق ... کو حاصل نہیں رہا"

حالانکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کا اسلامی حک... ہونا اور خلافت راشدہ کے منوال پر ہونا۔ تمام ارباب علم کا متفقہ فیص... ہے۔ ابن خلدون میں ہے۔

وفی سلطهم عمر بن عبد العزیز | حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ مروانی سلسلہ...

شروع الی طریقہ خلفاء
ربعہ والصحابۃ
بعدہ -

درمیانی کڑی ہیں۔ جنہوں نے اپنی پوری طاقت
سے خلفاء اربعہ اور صحابہ کے طریق کو اپنے
عہد میں جاری کیا۔

اسی طرح علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔

ن یتجدد لہ لما استخلف
قلبہ اللہ فصار بعدہ فی
حسن السیرۃ والقیام بالقسط
ح جدہ لامہ عمر وفی الزھد
ع الحسن البصری وفی
علم مع الزھری -

لیکن جب خلیفہ ہوئے تو خداوند تعالیٰ نے
انکو نئے قالب میں بدلدیا۔ اب وہ انصاف و
عدل میں اور حسن سیرت میں اپنے نانا خلیفہ دوم
حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے تھے اور زہد میں
حسن بصری کی طرح۔ اور علم میں زہری کے
مثل تھے۔

پھر علم وفضل میں ان کا درجہ یہ تھا۔ کہ

ن اماما فقیھا مجتھدا -
رفا بالسنن۔ کبیر الشان
بۃ۔ حجۃ حافظا -
(تذکرۃ الحفاظ)

عمر ابن عبدالعزیز اپنے وقت کے امام تھے۔
فقیہ تھے۔ مجتہد تھے۔ حدیث کے بہت بڑے
ماہر تھے۔ اس میں وہ بڑا درجہ رکھتے تھے معتبر
تھے۔ اپنے وقت کے حجت اور حافظ تھے۔

شرح معانی الآثار۔ جسکا حوالہ کتاب العشر والزکوۃ کے ص میں ہے۔
کے الفاظ یہ ہیں۔

ن عمر بن عبد العزیز کتب
الی ایوب بن شرجیل ان خذ

حضرت عمر ابن عبدالعزیز رح نے ایوب ابن شرحبیل
کو لکھا کہ مسلمانوں سے چالیس اشرفی میں ایک

من المسلمين من كل اربعين
دينارًا دينارًا - ومن اهل الكتاب
من كل عشرين دينارًا دينارًا -
اذا كانوا يديرونها[له] ثم لا تاخذ
منهم شيئًا حتى راس الحول
فاني سمعت ذالك ممن سمع
النبي صلى الله عليه وسلم يقول
ذالك فعلى هذا الحديث امر
رسول الله صلى الله عليه وسلم
المصدقين ان ياخذوا من اموال
المسلمين ما ذكرنا ومن اموال
اهل الذمة ما وصفنا -

ایک اشرفی لو۔ اور اہل کتاب سے بیس اشرفی میں
ایک اشرفی لو۔ اگر اہل کتاب چاہیں۔ پھر
ان سے سال کے آخر تک کچھ نہ لو۔ تحقیق کہ
میں نے یہ سنا ہے۔ اس شخص سے جس نے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی حکم فرماتے
تھے۔ پس اس حدیث کی بنا پر رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے مصدقین کو یہ حکم
فرمایا کہ مسلمانوں کے اموال باطنہ سے چالیسواں
حصہ لو۔ اور ذمیوں کے اموال باطنہ سے
بیسواں حصہ لو۔

یہ ذمہ دار حوالہ اس بات کے لئے روشن دلیل ہے کہ عہد عثمانی کے بعد اسلامی

له شرح معانی الآثار کے حاشیہ پر جو دوسرا نسخہ "یدیرونہا" ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے لہذا اس بنا پر یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس فرمان کا تعلق ان اموال تجارت سے ہے۔ جو اموال ظاہرہ ہیں۔ اور یہ وہ ٹیکس ہے جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو مال لیجانے میں لیا جاتا تھا۔ اور یہ مراسلہ ان لوگوں کے نام بھیجا گیا ہے جو ناکوں پر متعین رہتے تھے۔ اسلئے کہ حضرت عبدالعزیز رح کے اس فرمان میں جس ٹیکس کا تذکرہ ہے وہ عہد نبوی کا ٹیکس ہے۔ اور عہد نبوی میں

...ومتوں سے ایک شرعی حکومت جو حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی
...ی۔ اس میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کو حاصل تھا۔ اور
...شر کا محکمہ نہیں تھا۔ لہذا حضرت عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کو عاشر کے
...ر ٹیکس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس ٹیکس کے متعلق فرمان لکھ رہے ہیں جس ٹیکس کیلئے
...ضور صلی اللہ علیہ وسلم مصدقین کو بھیجتے تھے۔

...یہی وجہ ہے کہ اس نسخہ کو غلط سمجھ کر متن میں داخل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ عاشر کے محکمہ کا قیام
...عہد کے بعد حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے۔

...ت عمر رضی اللہ عنہ نصب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عاشر کا محکمہ
...عشار (ص ۳۵/۲) قائم فرمایا۔

...علاوہ اسکے اموال منقولہ کی تجارت کے متعلق اہل ذمہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ چاہیں
...یں اور نہ چاہیں تو نہ دیں۔ بلکہ ان سے تو جبراً عاشر وصول کریگا۔ اور اس فرمان میں اہل ذمہ
...نے اور نہ دینے میں مجاز بنایا گیا ہے۔ لہذا اس فرمان کو محکمہ عاشر کا فرمان سمجھنا انتہا درجہ
...غلطی ہوگی۔ رہا یہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمانوں میں عاشر کے نام بھی فرمان ہے
...میرے مدعا کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ انکے زمانہ میں عاشر کا محکمہ تھا۔ اس بنا پر انکو بھی
...ت عمر بن عبدالعزیز نے اموال تجارت کے متعلق فرمان لکھا۔ چنانچہ وہ فرمان
...کا تعلق محکمہ عاشر سے ہے اس میں اہل ذمہ کے متعلق یہ تصریح ہے کہ ان سے اموال تجارت
...یں لو۔ یہ نہیں ہے کہ انکو اختیار رہے چاہیں تو دیں اور چاہیں تو نہ دیں۔

...موطا میں ہے۔ ومن مر بک من اہل الذمۃ فخذ مما یدیرون بہ
...التجارات من کل عشرین دینارا دینارا۔ الخ

وہ اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتا تھا۔

اسکے علاوہ مصفی شرح موطا امام مالک میں باب انواع الزکوۃ کے
تحت میں ایک ایسی حدیث آئی ہے جس میں حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ ا
کے اس فرمان کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے دمشق کے صدقات کے عاملوں کو لک
ہے۔ اور اس میں ان کو صدقہ کے متعلق ہدایت کی ہے۔ کہ کن کن چیز
میں صدقہ ہے۔ اس فرمان میں زراعت، یعنی عشر اور ماشیہ یعنی سائمہ ج
کے ساتھ عین۔ یعنی سونا چاندی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس امر کے لئے کھلی دلی
ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد حکومت میں عاملین صدقہ ع
اور سائمہ جانوروں کی زکوۃ کے ساتھ سونا چاندی کی زکوۃ بھی وصول کر
تھے۔ موطا کے الفاظ یہ ہیں :۔

مالك انه بلغه ان عمر بن	مالک کو خبر پہونچی ہے۔ کہ عمر بن عبدالع
عبد العزيز كتب الى عماله	رحمۃ اللہ نے عاملوں کو جو صدقہ پر دمشق م
على دمشق فى الصدقة	مقرر تھے یہ فرمان لکھا۔ کہ زکوۃ بالیقین
انما الصدقة فى الحرث	ہوتی ہے۔ زراعت اور سونا چاندی
والعين والماشية ۔	اور سائمہ جانور میں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس حدیث کا اپنی کتاب مصفی شر
موطا میں یہ ترجمہ لکھا ہے۔

خبر رسید بمالک کہ عمر بن عبدالعزیز نوشت بسوئے عاملان خود
کہ گماشتہ بودند بر دمشق درباب صدقہ۔ مضمون مکتوب آنکہ

غیرازیں نیست کہ زکوۃ واجب می شود۔ در زراعت۔ نقد
کہ عبارت از زر ونقرہ باشد۔ ومواشی۔ (صفحہ ۱۰۲ ج ۱)

موطا میں پھر ضمار مال (غائب شدہ مال) کے باب کے تحت میں حسب
حدیث ہے۔

عمر بن عبد العزیز کتب
مال قبضہ بعض الولاۃ
ظلماً یامر بردہ الی اہلہ ویؤخذ
زکوۃ لما مضی من السنین
ثم عقب بعد ذالک بکتاب
ان لا تاخذ منہ الا زکوۃ واحدۃ
فانہ کان ضماراً۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس مال کے بارے میں
جس پر بعض والیوں نے ظلماً قبضہ کرلیا تھا،
فرمان لکھا اور اس میں یہ حکم لکھا کہ اس طرح
کے مال کو اسکے مالک کو لوٹا دو۔ اور جتنے سال
اس پر گذرے ہوں سب کی زکوۃ وصول کی جائے۔
بعد اسکے پھر دوسرا فرمان بھیجا کہ صرف ایک سال
کی زکوۃ لی جائے کیونکہ وہ مال ضمار تھا۔

اس سلسلہ کا یہ واقعہ بھی حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد کا ہے۔ کہ جب
عائشہ کے صاحبزادہ نے یہ دادخواہی کی کہ ولید ابن عبد الملک نے میرے
باپ سے ظلماً بیس ہزار روپئے لیکر بیت المال میں داخل کر دیا ہے۔ وہ مجھکو
ملنا چاہئے تو حضرت عمر ابن عبد العزیز نے اسکی واپسی کا حکم دیدیا۔ اور یہ
بھی لکھا کہ چونکہ مال ضمار رہے۔ اسلئے ایک سال کی زکوۃ لے لو۔ اگر ایسا نہ ہوتا
تو ہم گذشتہ تمام سالوں کی بھی زکوۃ لیتے۔ یہ واقعہ "مصنف ابن شیبہ"
میں مذکور ہے۔

عن عمر بن میمون قال اخذ
عمر ابن میمون روای ہیں کہ ابو عائشہ سے بیس ہزار

وليد بن عبد الملك عن
رجل من اهل الرقة يقال له
ابو عائشة عشرين الفا فالقاه
فى بيت المال فلما ولى عمر
بن عبد العزيز اتاه ولده
فرفعوا مظلمتهم اليه فكتب
الى ميمون ان ادفعوا اليهم
وخذوا زكوة عامهم هذا
فانه لولا انه كان مالا ضمارا
اخذنا منه زكوة مامضى۔

روپے ولید ابن عبد الملک نے لیکر بیت ال
میں داخل کر دیا۔ جب حضرت عمر ابن عبد ا
خلیفہ ہوئے تو ابو عائشہ کے صاجزاد
انکے پاس آئے اور اس ظلم کی دادرسی چا
توحضرت عمر ابن عبد العزیز نے میمون
فرمان لکھا کہ ان کا مال ان کو دیدو۔ او
صرف اس سال کی زکوۃ ان سے لے لو
یہ مال ضمار (یعنی غائب مال) نہوتا تو ہم
گذشتہ سالوں کی زکوۃ اس سے وصو
کرتے۔

(کتاب الزکوۃ)

کتاب الاموال میں امام ابو عبید القاسم بن سلام نے مال ضمار کے س
ساتھ حضرت عمر ابن عبد العزیز رح کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ وہ حق الخدمت او
عطایا دیتے وقت زکوۃ وصول کر لیتے تھے۔

قال قال جعفر وسمعت ميمونا
ويزيد بن يزيد يتذاكران الزكوة
فقال يزيد كان عمر بن عبد العزيز
اذا اعطى الرجل عمالته اخذ
منها الزكوة واذا رد المظالم

جعفر نے کہا کہ میں نے یزید و میمون کو سنا
وہ دونوں زکوۃ کے متعلق گفتگو کر رہے ت
یزید نے کہا عمر بن عبد العزیز جب کسی عا
حق الخدمت دیتے تھے تو اس سے زکو
وصول کرتے تھے۔ اور جب مظالم کو واپس

اخذ منها الزکوۃ۔ وکان — کرتے تھے۔ تو اس سے زکوۃ لیتے تھے۔
یاخذ الزکوۃ من الاعطیۃ — اور جب ارباب عطیہ کو عطیہ دیتے تھے
اذا خرجت لاصحابھا۔ — تو زکوۃ عطیہ سے لیتے تھے۔

(ص ۴۳۲)

یہ تینوں روایتیں جن کا تعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شرعی حکومت کے عہد سے ہے۔ اس امر کی کھلی دلیل ہیں کہ ان کے عہد میں تفویض عثمانی پر عمل نہیں تھا۔ بلکہ اپنے حق کی بنا پر امام مسلمانوں سے اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کیلئے عامل بھیجتا تھا۔ اور ان سے اموال باطنہ کی زکوۃ کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور عامل بیت المال ان سے زکوۃ وصول کرلیتا تھا۔

پس یہ تینوں چاروں روایتیں تفویض عثمانی کے دوام اور استقلال کے منافی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ صاحب تبصرہ نے تفویض عثمانی کے جو معنی کئے ہیں۔ وہ بھی غلط ہیں۔ اور اسکے متعلق جس اجماع صحابہ کا دعوی کیا ہے۔ وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے خلیفہ سے۔ جو فقیہ تھے، مجتہد تھے۔ غیر ممکن تھا کہ وہ اجماع صحابہ کے علم کے بعد خلاف کرتے۔ نیز یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اجماع صحابہ ہوتا اور اسکا علم ان کو نہوتا۔

بہرحال میرے لئے باعث حیرت ہے۔ کہ فاضل تبصرہ نگار کی نگاہ سے جبکہ انہوں نے کتاب "العشر والزکوۃ" کی ایک ایک سطر کا مطالعہ کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ کیسے اوجھل رہا۔ اور موطا ایسی عام متداول کتاب کی روایتیں ان کے مطالعہ میں کیونکر نہیں آئیں۔ اور اس بنا پر تفویض

عثمانی کے بعد کے عہد کیلئے خلاف واقعہ یہ سنگین فیصلہ کس طرح صادر فرما دیا کہ کسی شرعی حکومت میں اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق امام کو حاصل نہیں رہا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھکر یہ دعوی کر دیا کہ شرعی اسلامی حکومت نہ سہی، کسی مسلمان حکمران کے دور میں بھی ایسا نہ ہوا۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں۔

"اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسکو صرف اپنے زمانہ کیلئے کئے ہوتا تو بعد کے زمانہ میں کسی نہ کسی ایک حکمران کے دور میں تو ہو سکتا تھا۔ کہ فیصلہ عثمانی یعنی تفویض کو رد کر کے اس حق کو امام دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا۔

حالانکہ یہ دعوی بھی صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عطایا کے اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتے تھے۔ گرچہ ان کے اس فعل کو جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بدعت لکھا ہے۔ اور اسی لئے ہم نے شرعی حکومت کی مثال میں اسکو ذکر نہیں کیا۔ بلکہ مسلمان حکمراں کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ کہ یہ اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتے تھے۔ جس کا ہمارے لائق تبصرہ نگار کو انکار ہے۔ حضرت معاویہؓ کا ایک واقعہ موطا میں یہ مذکور ہے۔

مالک عن ابن شہاب انہ قال اول من اخذ من الاعطیۃ الزکوۃ معاویۃ بن ابی سفیان	ابن شہاب کی روایت ہے انہوں نے کہا کہ سب سے پہلا شخص جس نے عطایا (کے دینے کے وقت انہی) کی زکوۃ وصول کر لیا، وہ معاویہ ابن ابی سفیان ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصفی شرح موطا میں اس کی شرح میں لکھا ہے۔

یعنی گرفتن زکوۃ از سالیانہ و ماہیانہ در وقتیکہ کسے دادہ شود بدعت ست وسنت آنست کہ بعد انقضائے حول در دست صاحب مال باید گرفت۔ والیہ ذہب الشافعی رح۔	جس وقت کسی کو عطا دیا جائے اسی وقت اس سالیانہ اور ماہیانہ سے زکوۃ لینا بدعت ہے۔ سنت یہ ہے کہ صاحب مال کے قبضہ میں جب ایک سال گذر جائے۔ تب زکوۃ لینی چاہیئے۔ یہی حضرت امام شافعی رح کا قول ہے۔
بندہ ضعیف گوید کہ گرفتن ابوبکر صدیق وحضرت عثمان زکوۃ را از عطایا بجہت آں بود کہ نزد ارباب اموال مالے بود کہ برے حولان حول شدہ بود۔	بندہ ضعیف کہتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما عطایا سے زکوۃ اس جہت سے لے لیتے تھے کہ ارباب مال کے پاس ایسا مال ہوتا تھا جس پر حولان حول ہو چکتا تھا۔

اسکے علاوہ حضرت معاویہ رض کا اپنے جیوش کو حدود خلافت مرتضوی رض میں روانہ کرنا اور تشدد کے ساتھ تلوار کے زور سے اہل بوادی اور باشندگان مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے زکوۃ کی وصولی کا حکم دینا۔ اور اسیران جیوش کا عمل کرنا تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ جو تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری" اور تاریخ کامل (للعلامہ ابن الاثیر جزری) میں مذکور ہے۔

طبری کے الفاظ یہ ہیں:۔

وجہ معاویہ رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن مسعدۃ الفزاری فی الف وسبعمائۃ رجل الی تیماء وامرہ ان یصدق من مر بہ من اہل البوادی وان یقتل من امتنع من عطائہ صدقۃ مالہ ثم یاتی مکۃ والمدینۃ والحجاز یفعل ذالک (ج ۵ صـ ۱۸۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سترہ سو کی فوج کے ساتھ عبد اللہ ابن مسعدہ کو تیماء کی طرف روانہ کیا اور انکو حکم دیا کہ اہل بادیہ میں سے جو ملیں ان سے زکوۃ وصول کریں اور جو اپنے مال کی زکوۃ نہ دے۔ اس سے جنگ کریں۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور حجاز کے علاقوں میں پہونچیں۔ وہاں بھی یہی کریں۔

تاریخ کامل کے الفاظ (جس میں حضرت معاویہ کے فرمان مذکور کے عملاً بجا آوری کا ذکر ہے) یہ ہیں:-

وامرہ ان یصدق من مر بہ من اہل البوادی ویقتل من امتنع ففعل ذالک وبلغ مکۃ والمدینۃ وفعل ذلک (ج ۳ صـ ۱۵۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اہل بادیہ سے جو بھی ملیں ان سے زکوۃ وصول کرو۔ اور جو زکوۃ نہ دے اس سے جنگ کرو۔ چنانچہ عبد اللہ ابن مسعدہ نے ایسا ہی کیا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچا۔ وہاں بھی یہی کیا۔

ان دونوں حوالوں میں ان یصدق مطلق ہے۔ جو اپنے اطلاق پر محمول ہوگا۔ اسلئے کہ عطایا کے مال سے زکوۃ کی وصولی سے ان کا مسلک معلوم ہو چکا ہے۔ صدقۃ مالہ کے الفاظ سے زکوۃ مال معلوم ہوتا ہے۔

اور محاورہ میں اس سے مراد سونا چاندی وغیرہ ہوتی ہے۔ اس سے زکوٰۃ مویشی یا زروع نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ تمام فقہ کی کتابوں میں شائع ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اموال باطنہ کے متعلق کیا عمل تھا، اسکے متعلق کوئی صریح روایت میرے پیش نظر نہیں ہے۔ اس عہد کے ہنگامی واقعات کی بنا پر امید نہیں ہے۔ کہ ان کو انتظامی امور کے متعلق جدید اصلاح حال کا موقع ملا ہوگا۔ اسلئے غالب گمان یہی ہو سکتا ہے کہ تفویض عثمانی پر عمل ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر ہم نے ان کے عہد کے بعض واقعات کی تشریح کتاب العشر والزکوٰۃ میں اسی تفویض عثمانی پر عمل کے نظر سے کی ہے۔

ان تاریخی شواہد اور واقعات کی موجودگی میں فاضل تبصرہ نگار کا دلیل میں ان کے امکان ہی کے استبعاد کو پیش کرنا انتہائی مستبعد بات ہے اسلامی تاریخ جن کے متعلق واقعات پیش کرتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ تفویض عثمانی کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شرعی حکومت میں بھی اموال باطنہ کی زکوٰۃ بھی وصولی کی گئی۔ اور اس کے لئے عمال بھیجے گئے۔ اور مسلمان حکمران کی حکومت میں بھی اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی۔ اور بزور وصول کی گئی۔ ہمارے فاضل تبصرہ نگار اسکے متعلق فرماتے ہیں۔

"اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسکو صرف اپنے زمانہ کے لئے کیا ہوتا تو بعد کے زمانہ میں کسی نہ کسی ایک حکمراں کے دور میں تو ہو سکتا تھا کہ فیصلہ عثمانی یعنی تفویض کو رد کرکے اس حق کو امام

دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا"۔

حالانکہ تاریخی شواہد بتلاتے ہیں کہ معاملہ "ہوسکتا تھا" کہ درجہ میں نہیں ہے۔ بلکہ "ہوچکا" کے درجہ میں ہے۔" اور اس حق کو امام دوبارہ لے لیتا" کے درجہ میں نہیں ہے۔ بلکہ "اس حق کو امام نے دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا" کے درجہ میں ہے۔

نمبر نہم کا جواب

بدائع الصنائع کی حسب ذیل عبارت ہے۔

لکن اذا اراد الامام ان یاخذها بنفسه من غیر تهمة الترك من اربابها لیس له ذلك لما فیه مخالفة اجماع الصحابة رضی الله عنهم۔ (ص ۷ ج ۲)

لیکن اگر امام (اموال باطنہ کی اس زکوۃ کی خود وصول کرنا چاہے۔ بغیر اس الزام کے کہ ارباب اموال نے اسکا ادا کرنا ترک کر دیا ہے تو یہ اسکے لئے روا نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے اجماع کی مخالفت ہوگی۔

فاضل تبصرہ نگار نے یہ استدلال کیا ہے۔

"بدائع الصنائع کی عبارت سے آشکارا ہے کہ کم سے کم فقہ حنفی کی تصریح کے مطابق امام کو اموال باطنہ کی زکوۃ کے وصول کرنے۔ یا اسکے متعلق کوئی امر از حکم نافذ کرنے کا اختیار نہیں یہ چیز اسکے حدود اختیار سے باہر ہے"۔ (ص ۱۰۱)

فاضل تبصرہ نگار کا "بدائع" کی عبارت کی بنا پر یہ لکھنا کہ "امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے وصول کرنے یا اسکے متعلق کوئی آمرانہ حکم نافذ کرنے کا اختیار نہیں" بالکل غلط ہے۔ اور بدائع الصنائع کی عبارت کو اسکے غیر محل پر حمل کرنے کا یہ نتیجہ ہے۔

فاضل تبصرہ نگار نے بدائع الصنائع کی اس عبارت کو اپنے ماسبق سے کاٹ کر اور اس سے غیر متعلق ٹھہرا کر۔ اسکے معنی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مطلقاً امام کے لئے بہرحال اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی روا نہیں ہے حالانکہ صاحب بدائع کا اس عبارت سے یہ مقصود نہیں ہے۔ اور نہ یہ مطلب کسی طرح اسکا مفہوم ہو سکتا ہے۔

اسلئے کہ اس حکم کو امام کی خاص تفویضی صورت سے تعلق ہے۔ یعنی امام کے لئے ایسی حالت میں کہ وہ اپنے حق کو تفویض کر چکا ہے۔ اس تفویضی حالت میں بھی تفویض کو باقی رکھتے ہوئے اسکے لئے مطالبہ زکوٰۃ روا نہیں کیونکہ یہ بالکل غیر آئینی چیز ہوگی۔

بہرحال صاحب بدائع الصنائع کی یہ عبارت تفویضی صورت سے متعلق ہے۔ کیونکہ اسکے پہلے امام کے تفویض کا حکم ہے۔ اور ارباب مال کے وکیل اور نائب ہونے کی حیثیت کا ذکر ہے۔ پھر یہ تصریح ہے کہ اس تفویض سے امام کے مطالبہ زکوٰۃ کے حق کا سقوط نہیں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عدم ادائیگی زکوٰۃ کی صورت میں مطالبہ کر سکتا ہے۔ اسکے بعد یہ حکم ہے۔ کہ امام کو ایسی حالت میں کہ لوگ زکوٰۃ ادا کر رہے ہیں۔

یعنی تفویض پر عمل کر رہے ہیں۔ تو امام کیلئے روا نہیں ہے۔ کہ وہ مطالبہ کرے۔

اور اگر بدائع الصنائع کی عبارت کو ماسبق سے کاٹ کر اپنے ماسبق سے غیر متعلق ٹھہرا کر جیسا کہ فاضل تبصرہ نگار نے کیا ہے۔ اور اسکے معنی یہ کیئے جائیں کہ امام کو مطلقاً ہر حال میں تفویض عثمانی کی بناء پر مطالبہ کا حق باقی نہیں رہا۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے مطالبہ کا حق ساقط ہو گیا۔ تو یہ خود بدائع الصنائع کی اس عبارت کے خلاف ہوگا۔ جو اسکے پہلے ہے۔ جس کا یہ صریح مفہوم ہے کہ تفویض عثمانی کی بناء پر اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق جو امام کو شرعاً حاصل ہے۔ باطل نہیں ہوگا۔

بدائع الصنائع کے الفاظ یہ ہیں :-

فلما کثرت الاموال فی زمانہ وعلم ان فی تتبعھا زیادۃ ضرر بارباھا باجماع الصحابۃ فصار ارباب الاموال کالوکلاء عن الامام الا تری انہ قال من کان علیہ دین فلیودہ ولیزک ما بقی من مالہ فھذا توکیل لارباب الاموال باخراج الزکوۃ

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اموال کی کثرت ہو گئی۔ اور حضرت عثمان رضؓ نے یہ سمجھا کہ ان مالوں کی تفتیش میں صاحب اموال کیلئے بہت زیادہ نقصان وضرر ہے تو صحابہ کرام کے اجماع سے حضرت عثمان رضؓ نے مصلحت یہ دیکھا کہ ارباب اموال کو ادائیگی زکوٰۃ کا حق، تفویض کر دیا جائے۔ پس یہ ارباب اموال امام کے وکیل کے طرح ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت

یبطل حق الامام
ت الاخذ -

(ص ... ج ۲)

عثمان رضؓ نے (ارباب اموال) سے کہا کہ جس شخص پر دین ہو وہ اپنے دین کو ادا کرے۔ اور ما بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ بس یہ اعلان ادائیگی زکوٰۃ کیلئے ارباب مال کو وکیل بناتا ہے۔ لہٰذا وصولی زکوٰۃ کا حق جو امام کو ہے وہ باطل نہیں ہوگا۔

اور جب امام کا حق اخذ باطل نہیں ہوا بلکہ یہ حق باقی رہا۔ اور اس کا رہنا اجماع صحابہ کے خلاف نہیں ہوا۔ تو ظاہر ہے کہ اس حق کا استعمال اجماع کے خلاف نہیں ہوگا۔ اب وہ کون سا اجماع صحابہ ہے۔ جس کی الفت لازم آئیگی۔ اور چونکہ کوئی دوسرا اجماع صحابہ نہیں ہے۔ لہٰذا حب بدائع کی یہ رائے اور یہ استدلال فاضل تبصرہ نگار کے مفہوم کی پر بالکل بے محل اور غلط ہوگی۔ اور یہ کہنا پڑیگا کہ صاحب بدائع کی اس رت کا مفہوم اگر یہی ہے تو انکی اموال باطنہ کے سلسلہ میں یہ زلت قلم ہے۔ جیسا کہ اموال باطنہ کے باب میں صاحب شرح وقایہ سے زلت قلم ں۔ اور علامہ شارح ہروی نے اسکی تردید کی۔ اور حضرت مولانا عبد الحی حب رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو "عمدۃ الرعایہ" میں نقل کیا۔ اور اسکے ق ہدایہ اور ہدایہ کے شروح اور محیط وغیرہ کی تصریحات پیش کیں۔ اور طرح کی مسامحت کا کتب فقہ میں کسی کسی جگہ پر ہو جانا اہل علم سے نہیں اس سے نہ اس کتاب کی قیمت کم ہوتی ہے۔ نہ اسکے فاضل مصنف م وفضل کے متعلق کوئی سوء ظنی ہو سکتی ہے۔

لیکن صاحب بدائع کے متعلق یہ جو عرض کیا گیا وہ فاضل تبصرہ نگار کے
اطلاق کی بنا پر ہے۔ کہ وہ صاحب بدائع کی اس عبارت کو امام کے حق
میں اسکے جمیع اموال پر نافذ فرمارہے ہیں۔ چاہے تفویض کی صورت ہو
یا عدم تفویض کی صورت ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ اسکا تعلق
صورت سے ہے۔

اس بنا پر صاحب بدائع پر نہ تسامح کا الزام عائد ہوگا۔ نہ انکی زلت
قلم کا اس میں کوئی شائبہ ہوگا۔ کیونکہ وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ تفویضی صورت
میں امام کو باوجود تفویض کے بغیر تہمت ترک زکوٰۃ کے مطالبہ نہیں کرنا چاہ
کیونکہ انہوں نے خود ارباب اموال کو یہ حق دیدیا ہے۔ کہ وہ خود
نائب کی حیثیت سے زکوٰۃ ادا کریں۔ لہذا تفویض کو باقی رکھتے ہوئے۔ یہ
یہ مطالبہ غیر آئینی چیز ہوگی۔ اور اجماع صحابہ کے مخالف ہوگا۔ اور یہ
مدعا کے مخالف نہیں ہے۔

بہرحال صاحب بدائع کی عبارت اپنے مفہوم میں ہر طرح کے اعتر
اور خدشات سے پاک ہے۔ ہاں اسکو اس مفہوم میں پیش کرنا غلط ہے جس
مفہوم میں فاضل تبصرہ نگار نے پیش کیا ہے۔ اور یہ غلطی اس بنا پر ہوئی
جسکی طرف "ایک تنبیہ" کے عنوان کے تحت میں علامہ جصاص کی عبا
کے سلسلہ میں صفحہ کے حاشیہ میں ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ ناظرین ورق ا
کر اسکو ضرور ملاحظہ فرمالیں۔

اور اگر اسی اجماع صحابہ کے متعلق جو تفویض عثمانی کے وقت وج

میں آیا تھا، یہاں یہ کہا جائے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق نہیں ہے۔ تو لازم آئیگا کہ ایک ہی اجماع صحابہ کی بنا پر امام کے لئے وصولی زکوۃ اموال باطنہ کا حق باقی بھی رہے۔ اور باقی نہیں بھی رہے۔ تو پھر اس سے زیادہ استدلال میں تہافت اور سخافت کیا ہو سکتی ہے۔ مجھکو حیرت ہے۔ کہ فاضل تبصرہ نگار کا ذہن رسا کیوں اسطرف نہیں گیا کہ اسطرح کے معنی پہنانے میں بدائع کا یہ قول ظاہر روایت کے بھی خلاف ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے مسلک بھی منافی اور برعکس ہوگا۔ (کمام)

پھر تفویض عثمانی کے زیر بحث اجماع صحابہ کے متعلق ہم پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ اسکے معنی اگر "ابطال حق امام" کے لئے جائینگے۔ تو اس صورت میں اجماع صحابہ کا وجود ہی محل نظر ہو جاتا ہے۔ جس سے فاضل تبصرہ نگار کے تبصرہ کی ساری عمارت منہدم ہو کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ اس عمارت کی بنیاد اس مفروضہ اجماع صحابہ پر ہے جسکا وجود نہیں۔

پھر یہ بات اول نظر میں سامنے آجانے کی تھی کہ تفویض عثمانی کے اجماع صحابہ کی بنا پر اگر اموال باطنہ کے متعلق یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ امام کا حق نہیں رہتا ہے۔ بلکہ اسکے حق کا سقوط ہو جاتا ہے۔ اور یہ سقوط فاضل تبصرہ نگار کے نزدیک چونکہ اجماع صحابہ کی بنا پر ہوا ہے۔ اس میں کسی امام اور والی کو بھی ترمیم و تنسیخ کا حق نہیں ہے۔ تو پھر ترک ادائے زکوۃ کی صورت میں صاحب بدائع الصنائع یا کسی فقیہ و مجتہد کو

یہ حق کیسے پہونچتا ہے کہ اس وقت اس اجماع صحابہ میں ترمیم و تنسیخ کرکے دوبارہ
امام ووالی کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق دلادیں۔ اور فاضل تبصرہ
نگار کا یہ تحریر فرمانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ

"البتہ فقہائے احناف اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا حق سلطان کو
اس شکل میں عطا کیا ہے۔ کہ جب یہ معلوم ہو کہ کسی شہر کے
مسلمانوں نے ان کی زکوٰۃ کا ادا کرنا چھوڑ دیا ہے۔" (ص ۹۹)

سوچنے کی بات ہے کہ جب امام ووالی کو حق و اختیار نہیں ہے تو
"بہ فقہائے احناف چہ رسد"۔ پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ فقہائے احناف
اجماع صحابہ کے خلاف حق کے عطا کرنے والے کون ہیں؟ جب امام ووالی
کو بھی اس کا حق نہیں ہے۔

بات اتنی ہے کہ یہ تمام تہافت اور سخافت اور تضاد بیانی اس
صدقہ میں ہے کہ تفویض عثمانی کے غلط معنی سمجھے گئے۔ غلط معنی پر اجماع صحابہ
کو محمول کیا گیا۔ اور اسکو متضاد تفریعات کا محل بنایا گیا۔

بہرحال بدائع الصنائع کی اس عبارت کے مفہوم کے صاف
ہوجانے کے بعد ہم فاضل تبصرہ نگار کے ان تفریعات پر کوئی مواخذہ
نہیں کرنا چاہتے۔ جو اس کے ذیل میں آپنے فرمایا ہے۔ اور قیاس بر
قیاس کرتے چلے گئے ہیں۔ کیونکہ

خواجہ در بند فکر ایوان ست
خانہ از پائے خویش ویران ست

نمبر دہم کا جواب

فاضل تبصرہ نگار کے اس اشارہ کے متعلق کہ

"اس سلسلہ میں یہ اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ اموال باطنہ کی زکوۃ کے تعلق کا امام دوالی سے نہ ہونا صرف فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں، بلکہ یہی دیگر مذاہب کا بھی متفقہ مسلک ہے۔"
(مثال میں فقہ حنبلی کو پیش کیا گیا ہے)

ہم صرف یہ اشارہ کر دینا چاہتے ہیں کہ دیگر مذہب کے متفقہ مسالک حال وہ نہیں ہے۔ جو فاضل تبصرہ نگار نے لکھا ہے۔ کیونکہ اہل بیت۔ م شافعی۔ امام مالک۔ امام ابو حنیفہ۔ امام ابو یوسف۔ امام محمد۔ امام شوکانی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہم اللہ کا متفقہ مسلک یہ ہی و لایت اخذ زکوۃ امام کو ہے۔ اسکے متعلق تفصیلی بحث "کتاب العشر الزکوۃ" میں ص۶۶ سے لغایت ص۰۰ تک ملاحظہ ہو۔ اشارہ کے لئے ی چند الفاظ بہت ہیں۔

اس قسط اول کے خاتمہ پر فاضل تبصرہ نگار کے وہ بعض ائمہ جن کے متعلق آپنے لکھا ہے کہ بعض ائمہ اس سلسلہ میں سرے سے تفویض تک کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہی نہیں ہے کہ آپ نے اموال باطنہ یعنی سونا چاندی اور اموال تجارت اسواق کی زکوۃ کے مطالبہ

کے لئے کبھی کسی محصل کو بھیجا ہو الخ۔

اسکے متعلق کچھ لکھنا اضاعت وقت ہے۔ کیونکہ اہل علم کے حضور میں اس طرح کے اقوال کبھی بھی لائق خطاب اور سزاوار اعتنا نہیں ٹھہرے دوسرے خود فاضل تبصرہ نگار بھی اسکے ساتھ نہیں ہیں۔ اسلئے اسکی طرف نہ ہم نے توجہ کیا۔ اور نہ اسکی ضرورت سمجھتے ہیں۔ کہ اسکے متعلق ایک حرف بھی لکھا جائے۔ پھر جو کچھ ماقبل کے نمبروں میں لکھا گیا ہے وہی اسکی تردید کے لئے کافی ہے۔

---

(۲)

مولانا ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین کے تبصرہ کی دوسری قسط ہمارے سامنے ہے۔ اس دوسری قسط کی ابتدا فاضل تبصرہ نگار نے اپنی قسط اول کے اس نتیجہ سے کی ہے۔

"اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد کہ "اموال باطنہ کی زکوۃ کا تعلق امام ووالی سے سرے سے قائم نہیں ہے" یہ مسئلہ خود بخود صاف ہو جاتا ہے کہ جو لوگ ان اموال کی زکوۃ امام کے توسط کے بغیر ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنے حق کا استعمال کرتے ہیں۔ الخ (معارف ۱۳۴۳ھ صـ۱۶۳)

فاضل تبصرہ نگار نے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اسکے متعلق قسمہ

ل کے جواب میں تفصیل سے ہم بتا چکے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کتاب
نت۔ اجماع۔ سے یہ ثابت ہے کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی
مطالبہ کا حق ہے۔ اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیقی اور
فاروقی اور عہد عثمانی میں اس پر عمل تھا۔ اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا
م مطالبہ کرتا تھا۔ عہد عثمانی کی تفویض سے بھی امام کے مطالبہ زکوٰۃ
ال باطنہ کا حق ساقط نہیں ہوا تھا۔ اور تمام اجلہ فقہاء حنفیہ نے
ی تصریح کر دی ہے۔

پھر امام کے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ حق کے متعلق ائمہ ثلثہ
فقیہ یعنی امام ابوحنیفہ۔ امام ابویوسف۔ امام محمد رحمہم اللہ کا اتفاق
ے کہ امام کو یہ حق ہنوز حاصل ہے۔ اور یہی "ظاہر روایت" ہے جس سے
ی حال میں بھی فقہ حنفی کے اصول پر نہ تو اسکے خلاف قولاً فتوی دیا جا سکتا
۔ اور نہ عملاً کسی عمل کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

لہذا فاضل تبصرہ نگار کا مذکورہ بالا نتیجہ اور اس پر ان کے قیاسات
تفریعات سب کے سب چونکہ کسی دلیل شرعی پر مبنی نہیں ہیں۔ صحیح
ں ہیں۔

اسکے بعد لائق تبصرہ نگار نے "مبسوط سرخسی" کی ایک عبارت کا
ب دینا چاہا ہے۔ جو کتاب العشر والزکوٰۃ" میں امام کے حق مطالبہ
ہمیت کے متعلق پیش کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ارقام فرمایا گیا ہے۔
" لائق مصنف نے اس سلسلہ میں بعض کتب فقہ کی عبارتوں

سے ایسا استدلال کیا جس سے غلط فہمی قائم رہ سکتی ہے۔ اسلئے اس سلسلہ میں اس مسئلہ پر بھی انفرادی طور پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ (معارف صـ ۱۶۳)

اسکے بعد لائق تبصرہ نگار نے بجائے اسکے کہ کتاب العشر والزکوة کی استدلال کردہ بعض عبارت کتب فقہ سے بحث کرتے۔ آپ نے در... اور ردالمحتار کی بعض عبارت کی جس کا تعلق اموال ظاہرہ سے بنایا گیا... طویل تشریح و تفصیل کی ہے۔ اسکے بعد یہ فرمایا گیا ہے۔

"مصنف کتاب العشر والزکوة نے صرف اسی قدر مختصر جزیہ کی بنیاد پر ایک بڑی عمارت تیار کرلی ہے۔ اور اسی پر اس باب کا خاتمہ کیا ہے۔ اور مبسوط سرخسی کی ایک عبارت نقل کرکے جس کا تعلق اسی مسئلہ کی تشریح سے ہے۔ جو اوپر درج کیا گیا علی الاطلاق یہ فیصلہ سنایا ہے۔ (معارف صـ ۱۶۵)

لائق تبصرہ نگار کے اس ارشاد گرامی کے متعلق ناچیز مصنف ک... العشر والزکوة بجز اسکے اور کیا عرض کرے کہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے... کیونکہ کتاب العشر والزکوة میں ابتدا سے لیکر انتہا تک کسی جگہ بھی اس مخ... جزیہ کا ذکر نہیں ہے۔ نہ مصنف کتاب العشر والزکوة نے اپنے کسی دعو... کی عمارت کے لئے اسکو بنیاد بنایا ہے۔ نہ کسی جگہ صراحتہً یا اشارةً اس... سے استدلال کیا ہے۔ نہ مصنف کے دعوی زیر بحث سے اسکو کوئی تع... ہے۔ مگر نہیں معلوم کہ لائق تبصرہ نگار کیوں ناچیز مصنف کو زبردستی

بے تعلق جزیہ کے دلدل میں بلا وجہ گھسیٹنا چاہا ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ بات ہم سمجھ سکے کہ لائق تبصرہ نگار مبسوط سرخسیؒ کی اس عبارت کو جس سے کتاب العشر والزکوٰۃ میں استدلال کیا گیا ہے۔ اسکو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں مبسوط کی عبارت۔ درمختار۔ اور شامی کی عبارت کی تشریح ہے۔

لائق تبصرہ نگار سے اس تعبیر میں زلت قلم ہو گئی ہے۔ شامی جو تیرہویں صدی کی کتاب ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسکی تشریح اس کتاب میں ہو۔ جو پانچویں صدی کی ہو۔ یعنی اجمال کے وجود سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے اس اجمال کی تشریح کا وجود ہو۔

میرے خیال میں لائق تبصرہ نگار کا مقصد یہ ہے کہ صاحب مبسوط نے مفصل اور شرح عبارت میں جو کچھ لکھا ہے۔ اسی کو صاحب درمختار۔ اور شامی نے مجمل عبارت میں لکھا ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے تو پھر مبسوط کی عبارت کی مراد کی تعیین اور تفہیم کے لئے درمختار اور شامی کی عبارت کی نقل اور اسکی تشریح بے محل ہونیکے علاوہ بے سود بھی ہے۔ کیونکہ مجمل عبارت کی مراد کی تعیین و تفہیم کیلئے مفصل عبارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ کہ مفصل کیلئے مجمل کی۔

بہر حال ہم درمختار اور شامی کی عبارت سے اس جگہ اسلئے کوئی تعرض اور بحث کرنا نہیں چاہتے کہ ایک تو ان دونوں میں اجمال و تفصیل کی نسبت کا ادعا صحیح نہیں ہے۔ دوسرے اگر ہو بھی تو جب تفصیلی عبارت

زیرِ بحث آ رہی ہے تو پھر اس مجمل عبارت کی کرید اور بحث فضول ہے۔
مبسوط کی عبارت کے متعلق لائق تبصرہ نگار یہ تحریر فرماتے ہیں۔

"لائق مصنف نے مبسوط کی جس عبارت سے اس مسئلہ کو فقہ حنفی کا مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔ اس کا تمام تر تعلق اموال ظاہرہ کی زکوۃ سے ہے۔ علاوہ ازیں خود اس عبارت سے جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ لائق مصنف کے مدعا کے حصول کے لئے کافی نہیں۔ (معارف ص ۱۶۵)

یہ لائق تبصرہ نگار کا دعویٰ ہے۔ اس کی دلیل میں آپ کا یہ ارشاد ہے۔

اس کا فیصلہ مبسوط کی پوری عبارت پڑھنے سے ہو سکتا ہے مصنف نے جو عبارت نقل کی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

ولنا ان هذا حق مالی یستوفیه	ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوۃ مالی حق ہے جس پر
الامام بولایة شرعیة۔ فلا	ولایت شرعی کے سبب سے امام قبضہ کرتا ہے
یملك من علیه اسقاط	لہذا امام کے قبضہ کے حق کو وہ شخص جس پر
حقه فی الاستیفاء کمن علیه	زکوۃ واجب ہے ساقط کرنے کا اختیار
الجزیة اذا صرف بنفسه	نہیں رکھتا ہے۔ جیسے اس شخص کو اختیار
الی المقاتلة۔ ثم تقریر	نہیں ہے جس پر جزیہ واجب ہے۔ جبکہ وہ
هذا الکلام من وجهین	اپنے اختیار سے مجاہدین پر صرف کر دے۔ پھر
احدهما ان الزکوۃ محض	پھر اس مسئلہ کی تقریر دو نوعوں سے ہے اول یہ کہ زکوۃ محض

حقوق اللہ تعالیٰ - فانما یستوفیہ
من یعین نائبا فی استیفاء
حقوق اللہ وھو الامام فلا
تبرء ذمتہ الا بالصرف الیہ
وعلی ھذا القول - وان علم
صدقتہ فیما یقول یؤخذ منہ
ثانیا ولا یبرء بالاداء الی الفقیر
فیما بینہ وبین ربہ وھو
اختیار بعض مشائخنا رحمہم اللہ
ان للامام رایا فی اختیار
المصرف ولا یکون لہ ان
یبطل رای الامام بالاداء
بنفسہ -

(کتاب العشر والزکوۃ ص۱)

اللہ تعالے کا حق ہے - لہذا اس پر وہی قبضہ
کر سکتا ہے جو حقوق اللہ کے پورا کرانے میں
اللہ تعالیٰ کا نائب متعین ہو - اور وہ امام
ہے - پس کوئی مسلمان زکوۃ سے بری الذمہ
نہیں ہو سکتا ہے - جب تک امام کے پاس اپنی زکوۃ
نہ بھیجے - اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں (کہ وہ شخص
جو یہ کہتا ہے کہ ہم نے اپنی زکوۃ خود فقیر کو دیدی)
اگر اسکی سچائی کا علم ہو، پھر بھی اس سے دوبارہ
زکوۃ وصول کیجائیگی - اور فقیر کو دیدینے سے وہ
عند اللہ بھی ادائے زکوۃ سے سبکدوش نہیں ہوگا -
اور یہ ہمارے بعض مشائخ کا مختار مذہب ہے -
اسلئے زکوۃ کے مصارف میں کسی مصرف کو اختیار
کرنے میں امام کی رائے کا اعتبار ہے - لہذا افراد
امت یعنی ارباب اموال کو یہ حق نہیں پہونچتا ہے کہ
وہ امام کی رائے کو خود سے زکوۃ ادا کرکے باطل
کردیں -

اس عبارت سے نہ تو لائق تبصرہ نگار کا یہ دعوی ثابت ہوتا ہے کہ
"اس کا تمامتر تعلق اموال ظاہرہ کی زکوۃ سے ہے" کیونکہ اس عبارت
میں اموال ظاہرہ یا اموال باطنہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے - اور نہ اس

عبارت سے یہ استدلال لائق تبصرہ نگار کا صحیح ہے کہ خود اس عبارت سے جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ لائق مصنف کے مدعا کے حصول کیلئے کافی نہیں ہے "۔ حالانکہ مذکورہ بالا عبارت حسب ذیل امور کے افادہ میں صریح ہے۔

(۱) امام کو بعد از قبضہ زکوۃ صرف کرنے کا جو حق ہے۔ اسکو وہ شخص جس پر زکوۃ واجب ہے، ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔

(۲) کوئی مسلمان زکوۃ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا ہے۔ جبتک امام کے پاس زکوۃ نہ بھیجے۔

(۳) وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ ہم نے اپنی زکوۃ خود فقیر کو دیدی۔ اگر اسکی سچائی کا علم ہو۔ پھر بھی اس سے دوبارہ زکوۃ وصول کیجائیگی۔

(۴) فقیر کو دیدینے سے وہ عند اللہ بھی ادائے زکوۃ سے سبکدوش نہیں ہوگا،

(۵) ہمارے بعض مشائخ کا مختار مذہب یہی ہے۔

(۶) زکوۃ کے مصارف سے کسی مصرف کو اختیار کرنے میں امام کی رائے کا اعتبار ہے۔

(۷) افراد امت یعنی ارباب اموال کو یہ حق نہیں پہونچتا ہے کہ وہ امام کی رائے کو خود سے زکوۃ ادا کرکے باطل کردیں۔

مصنف کتاب العشر والزکوۃ کا دعوی ان تصریحات سے جو مذکورہ سات نمبروں میں ہیں، ایک حرف زیادہ نہیں ہے۔ پھر بھی لائق تبصرہ نگار کا یہ ارشاد ہے کہ " مصنف کے مدعا کے حصول کیلئے کافی نہیں "۔

اس کے بعد لائق تبصرہ نگار نے مبسوط کی مذکورہ بالا عبارت کی دوسری وجہ کو نقل کیا ہے۔ جس کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ وہ یعنی صاحب مال زکوٰۃ ادا کرنے سے اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ اور اسپر اپنی رائے یہ لکھی ہے۔

"مذکورہ بالا عبارت اس مسئلہ میں مبسوط کے سلسلہ بیان کا آخری حصہ ہے۔ یہ معلوم ہے کہ فقہائے کرام عموماً مفتی بہ اور ترجیحی اقوال مسائل و دلائل کو آخر میں درج کرتے ہیں۔ یا اگر انکو پہلے درج کرتے ہیں تو دوسرے مسلک کے مرجوح ہونے کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں یہ خواہ اس موقع پر صحیح ہو یا نہ ہو۔ یہ تو بہرحال آشکارا ہے۔ کہ علامہ سرخسی نے اس سلسلہ میں جو دو شقیں دکھائی ہیں۔ ان میں سے پہلی شق کے متعلق جو کتاب العشر والزکوٰۃ میں نقل کی گئی ہے۔ یہ تصریح ہے کہ اسکو بعض مشائخ نے اختیار کیا ہے۔ باقی رہی دوسری شق تو یہ بھی محض دوسرے فقہائے احناف ہی کا مسلک اور انکے دلائل ہیں۔ کہ "لنا" یعنی ہم احناف کے دلائل کے تحت درج ہوئے ہیں۔ (معارف ص ۱۶۷)

یہ صحیح ہے کہ دونوں شقیں فقہائے احناف کا مسلک ہیں۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ دوسری شق مرجوح ہے۔ اور مرجوح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ پہلی شق کے متعلق یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ پہلی شق کو بعض مشائخ نے اختیار کیا ہے۔ یعنی مختار مسلک ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلی شق ظاہر روایت کے

موافق ہے۔ اور دوسری شق کسی مشائخ کا مختار نہیں ہے۔ اور وہ مسلک جسکے ساتھ مشائخ ہوں، اسکا حکم حنفی مسلک میں یہ ہے کہ ہمارے لئے ان ہی کے قول اور مسلک کو نقل کرنا لازم ہے۔

رسالہ ابن عابدین میں ہے۔

وحیث لم نکن اھلا للنظر فی الدلیل ولم نصل الیٰ رتبتھم فی حصول شرائط التفریع والتاصیل فعلینا حکایتہ ما یقولونہ لانھم اتباع المذھب الذین نصبوا انفسھم لتقریرہ وتحریرہ باجتھادھم۔

چونکہ ہم اسکے اہل نہیں ہیں کہ دلیل میں تفکر سے کام لیں اور نہ مسائل کی تفریع اور انکے اصول کے ممہد کرنے کی شرائط کے حصول میں مشائخ کے مرتبہ تک ہماری رسائی ہے۔ اسلئے ہم پر واجب ہے کہ مشائخ جو کچھ کہیں ہم اسکی حکایت کریں۔ کیونکہ یہ مشائخ مذہب کے وہ فرزند ہیں جنہوں نے اپنے کو اسکے لئے تیار کیا ہے کہ اپنے اجتہاد سے مذہب کے لئے تقریر وتحریر کا کام لیں۔

(ص ۲۹)

بہر حال لائق تبصرہ نگار نے کتاب العشر والزکوۃ کی اس عبارت پر جو مبسوط سرخسی سے نقل کی گئی تھی۔ اور اس کا جواب دینا چاہا تھا۔ اس کی حقیقت وہی ہے جو مذکورہ بالا سطور میں پیش کر دی گئی ہے۔ مگر لائق تبصرہ نگار نتیجہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”جیسا کہ بہ تفصیل اوپر گذرا ”نہ تفویض عثمانی“ محض وقتی تھی، نہ مبسوط سرخسی نے بحیثیت فیصلہ ناطق کے وہ سب لکھا۔

جسکو مصنف نے نقل کیا ہے۔ اور نہ شرعاً ہر قسم کی زکوۃ بیت المال میں علی الاطلاق داخل کرنے کا حکم آیا ہے۔ بلکہ خود علامہ سرخسی نے مبسوط میں بھی اموال باطنہ کی زکوۃ کا تعلق ارباب مال سے اسی طرح دکھایا ہے جیسے فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے۔ ملاحظہ ہو جلد ۲ ص ۱۶۹ وغیرہ۔ (معارف ص ۱۲۸)

ان میں ہر ایک نمبر پر تفصیل سے ہم روشنی ڈال چکے ہیں جسکا اعادہ لاحاصل ہے۔ مبسوط کے ص ۱۶۹ جلد ۲ میں تو دہی ہے۔ جو کتاب العشر والزکوۃ کا نظریہ ہے۔ مثلاً ہر قسم کی زکوۃ کا بیت المال میں علی الاطلاق داخل کرنے کے لئے مصدق کا وصول کرنا۔ اور اموال باطنہ اور اموال ظاہرہ کی زکوۃ کا دین میں برابر ہونا۔ مبسوط کے الفاظ یہ ہیں :-

ثم دین الزکوۃ عن الاموال الباطنہ بمنزلۃ عن الاموال الظاہرۃ فان المصدق کان یاخذ منہا۔ فی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ رضی اللہ عنہما حتی فوض عثمان رضی اللہ عنہ الخ (ص ۱۶۹ مبسوط)	پھر اموال باطنہ کی زکوۃ کا دین بمنزلہ اموال ظاہرہ کے دین کے ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں۔ اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں زکوۃ کا محصل اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تفویض فرمایا۔

اسکے بعد لائق تبصرہ نگار نے برسبیل تنزل یہ تحریر فرمایا ہے۔

"علاوہ ازیں ان تمام دلائل سے قطع نظر کرکے جو اوپر نقل کئے گئے اگر ہم برسبیل تنزل لائق مصنف کے ان بیانات کو علی الاعلان صحیح تسلیم کرلیں۔ تو پھر فقہ حنفی کے بہت سے احکام و مسائل کو یا تو رد کرنا پڑیگا۔ یا ان کی لایعنی تاویلات کو قبول کرنا ہوگا۔" (معارف ص۱۶۸)

اس سلسلہ میں لائق تبصرہ نگار نے صرف دو مسئلے بیان کئے ہیں۔ ایک ارباب مال کے نقل زکوۃ کی ممانعت کا مسئلہ۔ اور اسپر یہ الزام رکھا ہے۔ کہ اس مذکورہ بالا مسئلہ کا تذکرہ کتاب العشر والزکوۃ میں سرے نہیں آیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ مصنف کے مسلک کی روشنی میں اسکو کسی نہ کسی تاویل سے پیش کرنا پڑتا الخ (معارف ص۱۶۸)

دوسرا مسئلہ یہ کہ فقہ حنفی کی کتاب میں بغیر توسط امیر کے زکوۃ کو فقراء پر تقسیم کرنے کا جزیہ موجود ہے۔

ان دونوں باتوں کے متعلق عرض یہ ہے کہ اس طرح کی الجھنیں لائق تبصرہ نگار کے ذہن میں محض اس بنا پر پیدا ہوئی ہیں کہ ابتدا ہی سے یہ فرق انکے پیش نظر نہیں ہے۔ کہ ایک صورت تو ارباب اموال کیلئے تفویض کی ہوتی ہے۔ یعنی امیر کی طرف سے ارباب مال کو نیابۃً اسکی اجازت ہوتی ہے کہ وہ اموال باطنہ کی زکوۃ کو خود سے فقراء پر تقسیم کردیں۔ اس صورت میں زکوۃ کی ادائیگی کے بیان میں جو کچھ کہا جائے۔ وہ ارباب مال کے

...ناب سے کہا جائیگا۔ کہ ان کے لئے فلاں صورت سے ادائیگی مکروہ ہے۔ ...فلاں صورت سے پسندیدہ ہے۔ لہذا ان کو مکروہ صورت سے احتراز ...چاہئے اور پسندیدہ صورت کو اختیار کرنا چاہیئے۔

دوسری صورت مطالبہ امیر کی ہے۔ یعنی ارباب اموال کو امیر کی جانب ...سے اجازت نہیں ہے کہ وہ بحیثیت نائب امیر کے اپنی زکوۃ خود ...ر یہ تقسیم کر دیں۔ بلکہ امیر کا مطالبہ یہ ہے کہ ارباب اموال ہر قسم ...مال کی زکوۃ امیر کے بیت المال میں داخل کریں۔ اور بیت المال ...ذریعہ فقرا اور مستحقین کو زکوۃ ادا کی جائے۔ اس صورت میں زکوۃ ...ادائیگی کے بیان میں جو کچھ کہا جائیگا اس میں ارباب مال سے ...تعلق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ادائیگی زکوۃ اور اسکی تقسیم کا تمامتر تعلق ...المال سے ہے۔

اس فرق کے سامنے آجانے کے بعد یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے ...کہ ہر وہ کتاب جو تفویض امام کی صورت کے پیش نظر لکھی جائیگی ...میں ادائیگی زکوۃ کے مسائل کو ارباب اموال کے انتساب سے ...جائیگا۔ جیسا کہ فقہ کی ان تمام متداول کتب کا اسلوب ہے۔ ...تفویض کی ہیں۔

اور ہر اس کتاب میں جو مطالبہ امیر کی صورت کے پیش نظر ترتیب ...دی گئی۔ اور تصنیف کی گئی ہو۔ اس میں ادائیگی زکوۃ کے مسائل کے ...میں سرے سے ارباب اموال کا تذکرہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت

میں ادائیگی بیت المال کے ذریعہ ہوگی۔ اور ارباب مال اس
مندرجات میں جگہ ہی نہیں پاسکیں گے۔
پس کتاب العشر والزکوۃ جسکی ترتیب دوسری صورت کے
نظر ہے۔ اسکے متعلق یہ الزام کہ "اس مذکورہ بالا مسئلہ کا تذکرہ
العشر والزکوۃ میں سرے سے نہیں آیا ہے" قابل اعتراض نہیں
بلکہ اس طور پر ذکر ہونا ہی قابل الزام ارتھا۔
رہا دوسرا مسئلہ کہ فقہ حنفی کی کتاب میں بغیر توسط امیر کے
کو فقراء پر تقسیم کرنے کا جزیہ موجود ہے" بالکل درست ہے۔
ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہ تمام کتابیں جن میں اس طرح کے مسائل
ذکر ہے۔ وہ تفویضی صورت کی تالیف ہیں۔
لائق تبصرہ نگار کے سامنے چونکہ یہ فرق ابتدا ہی سے پیش
اسلئے انکے ذہن میں لایعنی تاویلات کا خطرہ پیدا ہوا۔ سادہ ال
میں سوالات پیدا ہوئے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ فقہ حنفی کے
احکام و مسائل کے رد ہوجانے کا شبہ پیدا ہونے لگا۔ حالانکہ
سے کسی ایک چیز کا وہم و گمان بھی کتاب العشر والزکوۃ کے اصول
نہ ہوتا ہے، نہ ہونا ممکن ہے۔ اسلئے اس ذیل میں لائق تبصرہ
کے سادہ سوالات۔ اور خطرات کے متعلق اس فرق کی وضاحت
بعد کچھ لکھنا بے ضرورت ہے۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اسکا تعلق کتاب العشر والزکوۃ کے دوسرے باب
مسئلہ امام وامیر کی ولایت اخذ زکوۃ اور امام کے اموال باطنہ کی زکوۃ کے
مطالبہ اور تصرف کے متعلق تھا۔

اس کے بعد لائق تبصرہ نگار نے کتاب العشر والزکوۃ کے اس مسئلہ پر بھی
تبصرہ فرمایا ہے کہ " امام کو مطالبہ زکوۃ کا حق کیوں ہے؟ آپ لکھتے ہیں۔

" تیسرے باب میں مصنف نے اس مسئلہ پر کہ امام کو زکوۃ کے
وصول کرنے کا حق مال زکوۃ کی حفاظت وحمایت کے صلہ میں نہیں
ہے۔ بلکہ محض شرعی ولایت کی حیثیت سے حاصل ہے۔ تفصیل سے
نظر ڈالی ہے۔ اور اس سلسلہ میں مختلف عنوانوں کے تحت مباحث
درج کئے ہیں۔ مثلاً امام کو مطالبہ کا حق کیوں ہے؟ بہ سبب حمایت
یا بہ سبب ولایت شرعی۔ امام کی ولایت شرعیہ پر کتاب وسنت
کی شہادت۔ کتاب اللہ سے اسکی شہادت۔ کہ زکوۃ اللہ کا حق
اور اسکا فریضہ ہے۔ احادیث نبوی سے اسکی شہادت کہ زکوۃ
اللہ کا حق اور اس کا فریضہ ہے۔ " بسبب الحمایۃ " کے تخیل پر قرآن
اور حدیث سے کوئی دلیل نہیں۔ بسبب الحمایۃ کا تخیل تاریخی
نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ اخذ زکوۃ کی علت طہارت وتزکیہ
ہے۔ حمایت نہیں ہے۔ (معارف سنہ ۱۷)

اسکے بعد ان سب مباحث کے متعلق ایک جگہ ارشاد یہ ہے کہ۔
" ہمارے نقطۂ نظر سے یہ پوری بحث۔ اور اسکے یہ سب عنوانات

سے ہے اس مجموعہ کے لئے موزوں نہیں۔ اور حذف کر دینے
کے لائق ہیں۔ (ایضاً)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

"ہمارا مدعا اس مسئلہ میں لائق مصنف کے بیانات کا رد کرنا
نہیں ہے" (معارف ص ۱۷۱)

پھر بھی یا دو لائق بتصرہ نگار کی اس سلسلہ میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک تو
کہ "بسبب الحمایۃ" کی حمایت میں مبسوط کی حسب ذیل عبا
کی طرف لائق بتصرہ نگار نے توجہ دلایا ہے۔

ولکن الامام عجز عن حمایۃ	لیکن امام انکی حمایت سے عاجز رہا۔ پس اس
فلھذا لایاخذ ولکن یفتی	زکوۃ وصول نہیں کریگا۔ مگر جو کچھ صاحب مال
فیما بینہ و بین اللہ تعالےٰ	اللہ تعالیٰ کے مابین معاملہ ہے اس لحاظ
بالاداء ثانیۃ لانہ لایاخذون	فتوی دیا جائیگا۔ کہ وہ (صاحب مال)
اموالاء علی طریق الصدقۃ	زکوۃ دیدے۔ اسلئے کہ ان متولیوں
بل علی طریق الاستحلال ولا	کے طریقہ پر مال وصول نہیں کیا۔ بلکہ اس
یصرفونھا الی مصارف	بجبر رد اکر لیا۔ اور نہ وہ صدقہ کے مصا
الصدقۃ فینبغی لصاحب	میں صرف کرینگے۔ اسلئے صاحب مال کو
المال ان یودی ما وجب	جو کچھ اسپر واجب ہے۔ اسکو اللہ تعالیٰ کے
علیہ للہ تعالےٰ فانما اخذوا	ادا کردے۔ اسلئے کہ ان متولیوں نے
منہ شیئاً ظلماً (جلد ۲ ص ۱۸۰)	ظلماً وصول کر لیا تھا۔

نہ معلوم لائق تبصرہ نگار کو لسبب الحمایۃ کی دلیل کس طرح اس میں پنہاں
ئی۔ حالانکہ یہ تو کھلی دلیل اس بات کی ہے۔ کہ ارباب مال کو جو شرعی
امام کو زکوۃ دینے کا ہے۔ وہ امام کی حمایت کے سبب سے نہیں ہے۔ اور
کو اخذ زکوۃ کا حق "حمایت" کے سبب سے نہیں ہے۔ بلکہ شرعی ولایت کے
ہے۔ کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امام کو زکوۃ دینا شرعًا اسی وقت
ب ہوگا جب وہ حمایت کریگا۔ تو مذکورہ بالا صورت میں امام کو
دینا لازم نہیں ہونا چاہیے۔

مگر فتوی اسکے خلاف ہے۔ کہ "صاحب مال دوبارہ زکوۃ امام
ے"۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ فتوی کیوں اور کس بنا پر ہے۔ حمایت کی
ر تو ہو سکتا نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں حمایت نہیں پائی جاتی ہے۔
ذا یہ کہنا پڑیگا کہ اس فتوی کی بنیاد امام کی ولایت شرعی پر ہے۔
یہ اسکو حاصل ہے۔ لہذا ارباب مال کو دوبارہ امام کو دینا پڑیگا۔
م کی ولایت شرعی کے متعلق مبسوط میں یہ تصریح ہے کہ ان ھذا حق
ی یستوفیہ الامام بولایۃ شرعیۃ۔ زکوۃ مالی حق ہے۔ جس پر
یت شرعی کے سبب امام قبضہ کرتا ہے۔

اس مسئلہ پر کہ امام کو دوبارہ عشر، زکوۃ، دینا پڑیگا۔ باوجودیکہ
م کی حمایت کا وجود نہ ہو، چونکہ سیر حاصل بحث کتاب العشر والزکوۃ
ص ۹۸-۹۹ میں، "ہدایہ" "البحر الرائق" اور "فتح القدیر" وغیرہ سے
چکی ہے۔ ہم یہاں تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ تفصیل اصل کتاب میں

ملاحظہ کرلی جائے۔

دوسری بات لائق تبصرہ نگار کی لائق توجہ یہ ہے کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے "مصنف نے اس مسئلہ کو "بسبب الحمایۃ کی شرط پر تبصرہ" کے ذیل میں بدائع الصنائع سے نقل کیا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ یہ بدائع الصنائع کی انفرادی رای ہے۔ مفتی بہ مسئلہ نہیں ہے (ص۱۰۳) حالانکہ یہ مسئلہ نہ صرف بدائع میں ہے۔ بلکہ فقہ کی اکثر کتابوں میں موجود ہے۔ اور تقریباً وہی الفاظ ہیں۔ جو اوپر مبسوط سے نقل کئے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں اسکو صاحب بدائع کی انفرادی رای، اور غیر مفتی بہ کہنا تعجب انگیز ہے۔ (معارف ص۱۰۰)

لائق تبصرہ نگار کا ناچیز مصنف پر یہ بہت بڑا الزام ہے۔ جس کے متعلق ہم اس سوءظن کا تصور بھی گناہ سمجھتے ہیں کہ لائق تبصرہ نگار نے جان بوجھکر بالارادہ یہ غلط الزام مصنف پر رکھا ہے۔ بلکہ یہ انکی زلت قلم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ کتاب العشر والزکوۃ میں یہ ہرگز نہیں لکھا گیا ہے۔ اور یہ ہرگز نہیں دکھایا گیا ہے۔ کہ یہ بدائع الصنائع کی انفرادی رای ہے بلکہ کتاب العشر والزکوۃ کی عبارت میں بدائع الصنائع کے ساتھ فقہ کی دوسری عبارتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب العشر والزکوۃ کے الفاظ یہ

"اور بظاہر یہ غلط فہمی غالباً" بدائع الصنائع" یا اسی طرح کی "فقہ کی دوسری عبارتوں" پر مبنی ہے (ص۱۰۳)

اس تصریح کے باوجود کون کہہ سکتا ہے کہ مصنف نے یہ دکھایا ہے

ئع الصنائع کی انفرادی رائ ہے۔ اور لائق تبصرہ نگار کی یہ حیرت
رست ہو سکتی ہے کہ اسکو صاحب بدائع کی انفرادی رائ اور
ق بہ کہنا تعجب انگیز ہے۔

اسکے بعد لائق تبصرہ نگار کا ادارہ امارت شرعیہ کے متعلق کچھ مشورہ
۔ ہم اسکے شکر گذار ہیں۔ اور حتی المقدور سعی کرینگے کہ انکے مشورہ خیر
ئدہ اٹھائیں۔

ہاں اس مشورۂ خیر کے ضمن میں اس اعتراف کے ساتھ، کہ
بلا شبہ بعض ایسی صورتیں ہیں کہ جن میں زکوۃ کے وصول کرنے کا
حق امیر کو حاصل ہے۔ اگر وہ امیر کے توسط سے ادا نہ کی جائیں
تو قانوناً امیر کو حق حاصل ہے کہ وہ ارباب مال سے انکو دوبارہ
وصول کرے۔ (معارف صہ ۱۷۱)

چند سطروں کے بعد لائق تبصرہ نگار نے یہ لکھا ہے۔
" موجودہ امارت شرعیہ بہار کا وجود ہمیں نہایت عزیز اور اسکی
خدمات بڑی قابل قدر ہیں۔ لیکن بہر حال یہ واقعہ ہے۔ کہ اس
امارت کو جو کچھ بھی قوت تنفیذیہ حاصل ہے وہ خالص روحانی
و اخلاقی بنیادوں پر قائم ہے۔ اسلئے قانون کی زبان اور حاکمانہ
لب ولہجہ اس ادارہ کی وکالت کیلئے موزوں نہیں۔ (معارف صہ ۱۷۱)
رت تنفیذ کے متعلق ہم لائق تبصرہ نگار کو " ہندوستان اور
لۂ امارت " کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ کہ اس مسئلہ کو وہیں

مطالعہ کیا جائے۔ جو "کتاب العشر والزکوۃ" سے بہت پہلے طبع ہو چکی ہے۔

اور قانونی زبان اور حاکمانہ لب و لہجہ کے متعلق عرض یہ ہے۔ کہ جب حاکمانہ اقتدار پر اسکی بنیاد ہی نہیں ہے۔ تو حاکمانہ لب و لہجہ کا کیا سوال ہو سکتا ہے، ہاں دینی حکم کی زبان ہے۔ اور وہ صحیح ہے اگر اس میں فروگذاشت کیا جاتا تو یہ ناروا اخفائے حق کو مستلزم ہوتا جو دین اور دینی مسائل کی اہمیت کو پامال کر دیتا۔ اور شریعت کی عمیق نگاہ میں یہ اتنا بڑا جرم ہے۔ جس کا ڈانڈا شرک سے جا مل جاتا ہے۔

۳

مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین کی تیسری قسط پیش نظر ہے۔ اس قسط میں لائق تبصرہ نگار کو کتاب العشر والزکوۃ کے دو تین مسئلے محل نظر معلوم ہوئے ہیں۔

ایک ہندوستان کی بعض زمین کا عشری قرار دینا۔ دوسرے یہ لکھنا کہ مسلمانوں کو احتیاط کے مسلک پر تمام زمینوں کی پیداوار میں عشر نکالنا چاہیئے۔ تیسرے صدقہ فطر کے متعلق یہ لکھنا کہ کافروں کو زکوۃ، عشر، صدقہ فطر، کفارہ، نذر کا مال دینا جائز نہیں۔

پہلا مسئلہ

(۱) اسکے متعلق لائق تبصرہ نگار نے پہلے تو یہ لکھا ہے کہ

"لائق مصنف نے مسلمانان دار الحرب اور زکوۃ" کے موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں دار الحرب اور زکوۃ" "دار الحرب اور عشر" "ہندوستان کی زمین کا حکم" کے عنوانات قائم کرکے مباحث پیش کئے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ دار الحرب اور دار الاسلام دونوں میں یکساں طور پر زکوۃ و عشر کے احکام قائم ہیں۔ اور اس ضمن میں مصنف کو فقہ حنفی کے اس مشہور مسئلہ کا کہ "ارضہا لیست ارض خراج او عشر" یعنی دار الحرب کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی" کا رد کرنا پڑا ہے۔ (معارف اکتوبر ۱۹۴۴ء ص ۱۸۱)

لائق تبصرہ نگار جس کو فقہ حنفی کا مشہور مسئلہ" فرما رہے ہیں" کتاب العشر والزکوۃ میں اسکے متعلق ص ۱۲۲ کے حاشیہ میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ

فان ارضہا لیست ارض خراج او عشر (باب الزکوۃ) شامی کا یہ مجمل قول بلا سند مذکور ہے۔ نہ تو کسی امام کی طرف منسوب ہے۔ نہ اسکی کوئی دلیل بیان کی گئی ہے۔ نہ کسی دوسری کتب فقہ میں اسطرح کی عبارت میری نظر سے گذری ہے۔ اسلئے یہ قول نہ لائق اعتبار ہے، نہ قابل استناد، نہ لائق فتوی ہے۔ ایسی حالت میں شامی کے اس مجمل قول کو اسی پر حمل کیا جائیگا کہ دار الحرب کی وہ زمین مراد ہے، جو حربی کے قبضہ میں ہو۔ تاکہ شرح السیر الکبیر سرخسی کے موافق بھی ہو جائے، جو

ظاہر روایت پر مبنی ہے۔ اور کتاب الخراج امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ
کے مخالف بھی نہ رہے۔"

اس تنبیہ پر لائق تبصرہ نگار کا یہ فرض تھا کہ وہ اس دعوی سے پہلے کہ فقہ حنفی
کا یہ مشہور مسئلہ ہے، یہ ثابت کرتے کہ

۱۔ یہ مجمل قول بلا سند نہیں ہے۔

۲۔ فلاں امام سے اسکی روایت ہے۔

۳۔ یا یہ کہ یہ مجمل قول اس دلیل سے فقہ حنفی کا مسئلہ ہے۔

فقہ حنفی کی فلاں معتبر کتاب میں جس کا ظاہر مذہب میں اعتبار ہے۔ یہ جزئی موجود ہے
مگر لائق تبصرہ نگار نے اپنے پورے تبصرہ میں ایک حرف بھی اسکے متعلق
کہیں نہیں لکھا۔ اور نہ اس اعتراض کا جواب دیا کہ یہ مجمل قول کتاب الخراج امام
ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس قول کی بنا پر کہ "دار الحرب
کی زمین نہ عشری ہے، نہ خراجی" لازم یہ آتا ہے کہ مطلقاً دار الحرب میں کوئی
زمین عشری نہ ہو۔ اور کتاب الخراج امام ابو یوسف کی تصریح کا مقتضا یہ
ہے کہ دار الحرب کی وہ زمین عشری ہے۔ جو دار الحرب کے مسلمان کے قبضہ
میں اسوقت سے ہو جبکہ اس نے اسلام قبول کیا ہو۔ کتاب العشر والزکوۃ
میں متعدد حوالے کتاب الخراج سے اس سلسلہ میں پیش کئے گئے ہیں۔ مثلاً
ص ۱۲۲ میں ہے کہ

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الخراج" میں ایک فصل ہی
اسکے متعلق لکھی ہے۔ اور اس میں خلیفہ وقت ہارون رشید کے

اس سوال کا جواب دیا ہے کہ دار الحرب کے مسلمانوں کی جان اور
ان کی زمینوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

قال ابو یوسف وسالت یا امیر المومنین عن قوم من اهل الحرب اسلموا علی انفسهم وارضیهم ما الحکم فی ذلک فان دماءهم حرام وما اسلموا علیہ من اموالهم فلهم وکذلک ارضوهم لهم۔ وهی ارض عشر بمنزلة المدینة حیث اسلم اهلها مع رسول الله صلی الله علیه وسلم وکانت ارضهم ارض عشر وکذلک الطائف والبحران۔ (کتاب الخراج ص۶۳)

امام ابو یوسف نے کہا۔ اے امیر المومنین آپ نے دار الحرب میں رہنے والی اس قوم کے متعلق پوچھا ہے جو اپنے جان ومال کے ساتھ مسلمان ہوگئی۔ کہ انکے بارے میں کیا حکم ہے؟ (جواب یہ ہے کہ) ان کا خون حرام ہے۔ اور جو مال انکے پاس اسلام قبول کرنے کے وقت تھا۔ اسکے وہ مالک ہیں اسی طرح وہ اپنی زمین کے مالک ہیں۔ اور وہ زمین عشری ہوگی (اور انکا حکم) بمنزلہ مدینہ منورہ کے ہوگا۔ جہاں کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے۔ ان کی زمین عشری زمین تھی۔ اور ایسے ہی طائف اور بحران کا حکم تھا۔

ذمہ دارانہ صحافت اور تبصرہ کا مقتضا یہ تھا کہ اس مجمل قول کے متعلق ان ایرادات اور تنقیدات کا پہلے جواب دیا جاتا۔ اسکے بعد یہ دعویٰ کیا جاتا کہ فقہ حنفی کا یہ مشہور مسئلہ ہے۔ مگر لائق تبصرہ نگار نے اپنے اور دعاوی کی طرح اسکے متعلق بھی یہ زحمت قبول نہیں کی کہ اتنے بڑے دعاوی کیلئے

کوئی کمزور سے کمزور دلیل - کوئی کمزور سے کمزور روایت جو ظاہر مذہب کے متعلق ہوتی کوئی ضعیف سے ضعیف سند پیش کرتے -

بخلاف اسکے اس دعوی کو مختلف تعبیروں، اور مختلف عنوانوں میں بار بار دہرایا گیا ہے - اور کہیں بھی کوئی دلیل مذکورہ بالا تنبیہہ کے باوجود بیان نہیں کی گئی ہے - مثلاً ایک جگہ ہے -

فقہاء کے اس قول کو کہ دار الحرب کی زمین نہ عشری ہے، نہ خراجی یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ شامی کا یہ قول بلا سند مذکور ہے - نہ تو کسی امام کی طرف منسوب ہے، نہ اسکی کوئی دلیل بیان کی گئی ہے - (معارف صـ ۱۸۱)

یہ فقہاء کون ہیں؟ اسکے متعلق کوئی حوالہ نہیں دیا گیا - فقہاء کا یہ قول کس کتاب میں ہے - کوئی نشان دہی نہیں کی گئی - فقہاء تو بڑی بات ہے - کسی ایک فقیہ کے قول کی بھی نشان دہی نہیں کی گئی - اسی طرح دوسری جگہ ہے -

" فقہاء کے اس قول کو کتاب الخراج کے مندرجات کے منافی قرار دیا ہے " (رر صـ ۱۸۴)

اسی طرح تیسری جگہ ہے -

" فقہ حنفی کے اس جزیہ کو تسلیم کرنا پڑیگا اور ضہا لیست ارض خراج او عشر یعنی اسکی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری - (معارف صـ ۱۸۸)

مگر کسی جگہ یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی کہ کس فقہ حنفی کا یہ جزیہ (جسکی بنیاد مذہب پر ہو) ہے . حالانکہ لائق تبصرہ نگار کو اس کا علم ہے کہ اسکے متعلق یہ اعتراض ہے کہ شامی کے علاوہ کسی دوسری کتب فقہ میں (جو ظاہر مذہب پر مبنی ہو) اس طرح کی عبارت میری نظر سے

نہیں گذری ہے۔

پھر لائق تبصرہ نگار نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا کہ ایسی حالت میں شامی کے اس مجمل قول کو اسی پر حمل کیا جائیگا۔ کہ دار الحرب کی وہ زمین مراد ہے جو حربی کے قبضہ میں ہوں تاکہ شرح السیر الکبیر سرخسی کے موافق بھی ہو جائے۔ جو ظاہر روایت پر مبنی ہے۔ (حاشیہ ص۱۲۴ کتاب العشر والزکوٰۃ)

اور شرح السیر الکبیر کی یہ عبارت بھی اسی جگہ متن کتاب میں پیش کر دیگئی ہے کہ واراضی اهل الحرب لیست بعشریة ولاخراجیة - اور اہل حرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی۔

مقصد اس سے شامی کے قول کی تنقیح تھا۔ اور اسکا صحیح محمل بتانا تھا۔ اور اہل علم کے لیے اس طرف اشارہ کرنا تھا کہ بحذف مضاف کسی امر کو بیان کرنا۔ یہ ایسا عام اسلوب تحریر ہے۔ جو شائع و ذائع ہے۔ چنانچہ کتاب و سنت اور فقہ کی عبارتوں میں یہ اسلوب تحریر پایا جاتا ہے۔ اور کسی اہل علم کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔

بہر حال لائق تبصرہ نگار کا یہ دعوی بھی اور دعاوی کی طرح دلیل سے عہدہ برا نہیں ہے۔

(۲) اسکے بعد لائق تبصرہ نگار نے دار الحرب کی قسمیں لکھی ہیں۔ اور موجودہ ہندوستان کس قسم میں داخل ہے۔ اسکو بتایا ہے۔ اور موجودہ ہندوستان کی زمین کے عشری ہونے کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

"دار الحرب کی ایک قسم یہ ہے کہ وہ خالصۃً دار الکفر ہو۔ اور وہاں کلیتۃً غیر معاہد کفار کا غلبہ و اقتدار قائم ہو۔ اور مسلمان وہاں سرے سے آباد نہ ہوں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ ابتداءً پہلی قسم کا مقام تھا وہاں بعض کفار اسلامی حکومت کے غلبہ سے پہلے اسلام لے آئے۔ اسکے بعد مسلمانوں کو وہاں غلبہ و اقتدار حاصل ہوا۔

تیسری قسم یہ ہو سکتی ہے کہ ایک مقام دار الاسلام تھا۔ لیکن وہاں سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ مقام دار الحرب ہو گیا۔ (معارف صفحہ ۱۸۱)

دار الحرب کی یہ تقسیم فنی اور علمی حیثیت سے حصری ہے یا استقرائی ہے۔ یا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکے۔ اسلئے ہم اسکو اہل علم کے حوالہ کرتے ہیں۔ اور اسکے متعلق کچھ لکھنا غیر محمود سمجھتے ہیں۔

اس جگہ ہم کو صرف یہ بتانا ہے کہ اس تقسیم کی بنا پر آپ کو کتاب العشر والزکوٰۃ پر اعتراض کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان اگر دار الحرب ہے تو مذکورہ بالا قسموں میں سے موخر الذکر تیسری قسم ہی سمجھا جائیگا۔ یعنی یہ دار الاسلام تھا کفار کے غلبہ و استیلاء کے بعد دار الحرب بن گیا۔ (معارف صفحہ)

اس تعین کے بعد اب آپکا اعتراض یہ ہے کہ

لیکن لائق مصنف نے کتاب الخراج سے جو اقتباسات دار الحرب

میں عشر کے وجوب کو ثابت کرنے کے لئے نقل کئے ہیں ان کا تعلق ایسے ملکوں سے ہے جو دار الحرب ہوں اور وہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں۔ یعنی مذکورہ بالا تقسیم کے رد سے وہ دوسری قسم کا مقام ہو۔ (معارف ص ۱۶۸)

لائق تبصرہ نگار نے کتاب الخراج کے اقتباسات کا جو یہ مفہوم بتایا ہے کہ ان کا تعلق ایسے ملکوں سے ہے کہ جو دار الحرب ہوں اور وہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں" تو یہ بالکل صحیح ہے۔ کتاب الخراج کے اقتباسات کا مفہوم یہی ہے۔ ممتاز کرنے کے لئے ہم نے اس پر خط کھینچ دیا ہے۔ لیکن اسکے بعد لائق تبصرہ نگار نے اپنی طرف سے جو "یعنی" لگایا ہے وہ غلط ہے۔ خط کشیدہ عبارت کی وہ تشریح جو یعنی سے کی گئی ہے۔ وہ خط کشیدہ عبارت کے مفہوم سے باہر ہے۔ اور اس تشریح کو کتاب الخراج کے اقتباس کے مفہوم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کتاب الخراج کے اقتباس کا مفہوم حسب تصریح لائق تبصرہ نگار صرف یہ ہے کہ وہ ملک جو دار الحرب ہو۔ اور وہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں، تو ان کی زمین پر عشر واجب ہو گا۔ اسکے مفہوم کو اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر لائق تبصرہ نگار زبردستی یعنی کے زور سے دوسری قسم کا مقام ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے لئے یہ فرض کیا گیا ہے۔ کہ ان کے اسلام لانیکے بعد مسلمانوں کو وہاں غلبہ واقتدار حاصل ہو۔ حالانکہ کتاب الخراج کا اقتباس اسکے

منافی ہے۔

لائق تبصرہ نگار اپنے اس یعنی کے بعد اپنی تشریح کے ثبوت میں لکھتے ہیں۔

"چنانچہ کتاب الخراج کی حسب ذیل عبارت سے استشہاد کیا گیا ہے۔

کل ارض اسلم اھلہا علیہا وھی من ارض العرب او ارض العجم فہی لہم و ھی ارض عشر بمنزلۃ المدینۃ حین اسلم علیہا اھلہا وبمنزلۃ الیمن۔ (کتاب الخراج ص۶۳)	ہر وہ زمین جس کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چاہے وہ عرب کی زمین ہو۔ یا عجم کی۔ وہ مدینہ منورہ اور یمن کی اُن زمینوں کی طرح عشری ہوگی جب کہ انکے باشندوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ (معارف ۱۹۴۲ء ص۱۸۱)

اس اقتباس میں یہ کہیں نہیں ہے۔ کہ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو وہاں غلبہ اور اقتدار ہو، بلکہ مثال میں " بمنزلۃ المدینۃ حین اسلم علیہا اہلہا" کا لانا۔ اور یہ کہنا کہ "وہ مدینہ منورہ اور یمن کی اُن زمینوں کی طرح عشری ہوگی جبکہ ان کے باشندوں نے اسلام قبول کیا تھا" یہ اس بات کو بتاتا ہے کہ مثال میں وہ اس مدینہ کو دے رہے ہیں۔ جو غلبہ و اقتدار سے پہلے کا مدینہ تھا۔ کیونکہ جسوقت مدینہ کے باشندوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اسوقت ان کا مدینہ میں غلبہ و اقتدار نہیں تھا۔ اور اسوقت کا کیا سوال ہے مسلمانوں کو غلبہ اور اقتدار مدینہ منورہ میں اسوقت بھی نہیں تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کرکے تشریف لائے تھے۔ اقتدار و غلبہ کی ابتداء اور اسکا ظہور غزوہ بدر کے بعد ہوا۔ اسکے پہلے نہ تو مسلمانوں کی جان محفوظ

تھی نہ مال محفوظ تھا۔ غزوہ بدر کے بعد بھی صحیح تعین وقت مشکل ہے۔ کہ کھلا کھلا غلبہ فوراً ہوا یا چند سال کے بعد ہوا۔ بہرحال کتاب الخراج کے مذکورہ بالا اقتباس کو دارالحرب کی مذکورہ بالا قسموں میں سے دوسری قسم کے ساتھ متعلق بنانا سراسر غلط ہے۔ اس اقتباس کو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ جو دارالحرب کتاب الخراج کے اقتباس سے سمجھا جا رہا ہے وہ لائق تبصرہ نگار کی تینوں قسموں سے الگ ہے۔ کما لا یخفی۔

بہرحال اس اقتباس کا حاصل وہ نہیں ہے جو لائق تبصرہ نگار نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا حاصل یہ ہے جو کتاب العشر والزکوۃ کے صـ ۱۲۲ پر ہے۔

" اسکے بعد (یعنی ہارون رشید کے سوال کے جواب کے بعد) امام ابویوسف رح دوسری فصل میں جس کا عنوان " حد ارض العشر من ارض الخراج " ہے۔ کلی حکم کے طور پر یہ لکھتے ہیں کہ تمام روئے زمین کے لئے چاہے وہ عرب ہو یا عجم۔ یہی حکم ہے کہ جب وہاں کے باشندے مسلمان ہو جائینگے۔ تو وہ زمین جو انکے قبضہ میں اسوقت ہوگی وہ سب انکی ملک ہوگی۔ اور وہ سب زمین عشری ہوگی "۔ (اسکے بعد کتاب الخراج کا مذکورہ بالا اقتباس لکھا)

اب فیصلہ ارباب علم۔ اور ناظرین کے ہاتھ میں ہے کہ کتاب العشر والز کی تشریح صحیح ہے۔ یا فاضل تبصرہ نگار کی وہ تشریح جو اپنی طرف سے

یعنی کرکے بیان کیا ہے۔ پھر اسکے بعد فاضل تبصرہ نگار لکھتے ہیں۔

"کتاب الخراج کی مذکورہ بالا عبارت ہندوستان کے حال پر سرے سے منطبق ہی نہیں ہوتی۔ اسکے تحت میں ایسے ملک آتے ہیں جو پہلے دار الحرب تھے۔ وہاں کے باشندے اسلام لے آئے وہ پہلے سے زمین کے مالک تھے۔ اب وہ زمین اسلامی لشکر کی فتح کے بعد عشری کی عشری رہیگی۔ اور وہی ان کے مالک متصور ہونگے۔" (ر ۔ ص ۱۸۹)

لائق تبصرہ نگار کا مقصد یہ ہے کہ کتاب الخراج کی عبارت کے تحت میں دار الحرب کی دوسری قسم آتی ہے۔ ہندوستان پر یہ منطبق نہیں ہوتی ہے جو تیسری قسم ہے۔ حالانکہ تفصیل بالا سے یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ اسکو دوسری قسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسکے بعد لکھتے ہیں۔

"چنانچہ یحیی بن ادم قرشی کی کتاب الخراج کی عبارت سے یہ حقیقت زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

کل من اسلم من قبل القتال	اللہ کی مخلوق میں سے جو لوگ جہاد سے پہلے
فھم احرار مسلمون۔ و	اسلام لے آئے ہوں۔ تو وہ مسلمان ہونگے
ارضھم ارض عشر لانھو	اور انکی زمین، زمین عشری ہوگی۔ اسلئے
اسلموا قبل ان یظھر علیھم	کہ وہ مسلمانوں کے غلبہ پانے اور ان پر
المسلمون و قبل ان یجری	خراج عائد ہونے سے پہلے ہی وہ اسلام

صد الخراج ۔ (ص۲۳) ے آئے ۔ (معارف ص۱۸۸)

حالانکہ اس عبارت سے یہ حقیقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا تعلق
تبصرہ نگار کی دارالحرب کی دوسری قسم سے قطعاً نہیں ہے جس
۔ہاں کے مسلمانوں کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے غلبہ واقتدار
ختیار کیا گیا ہے ۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کے غلبہ پانے کے پہلے ہی مسلمانوں
مین پر عشری زمین کا حکم ہے ۔ اور بعد کو مسلمانوں کے غلبہ واقتدار کی شرط
مید ملحوظ نہیں ہے ۔ اور دارالحرب کی یہ صورت بھی لائق تبصرہ نگار کی
رہ بالا تقسیم سے باہر ہے ۔

ان سب حوالوں کا قدر مشترک حاصل یہ ہے کہ زمین کے عشری ہونے
دارالاسلام ہونے کی شرط نہیں ہے ۔ اور دارالحرب ہونا مسلمانوں کی
کے عشری ہونے کے منافی نہیں ہے ۔ اور کتاب العشر والزکوۃ کی اس
کا مقصد جو " دارالحرب اور عشر " کے عنوان کے تحت میں ہے جس میں
رہ بالا حوالے اور اسکے علاوہ اور دوسرے حوالے پیش کئے گئے ہیں صرف
تا ہے کہ دارالحرب ہونا وجوب عشر کے منافی نہیں ہے ۔ اس پوری
یں ایک جگہ بھی ہندوستان کا لفظ نہیں آیا ہے ۔ اور مذکورہ بالا
ں میں سے کسی حوالہ کو ہندوستان پر منطبق کیا گیا ہے ۔ مگر
تبصرہ نگار جگہ جگہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ " مذکورہ بالا عبارت ہندوستان
ل پر سرے سے منطبق ہی نہیں ہوتی " ۔ (ص۱۸۸) موجودہ ہندوستان
ت اس سے مختلف ہے ۔ ( ) اگر ہندوستان میں مسلمانوں کے

موجودہ حالات کا لحاظ کئے بغیر اس کو دار الحرب تسلیم کر لیا جائے تو ا
صورت میں کتاب الخراج کے ان اقتباسوں کا اطلاق اس ملک
نہ ہو سکے گا۔ (ر ص ۱۸۸)

اس سے خواہ مخواہ یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ کتاب العشر وا
میں ہندوستان کی زمین کے عشری ہونے پر ان ہی حوالوں کو پیش
گیا ہے۔ جس کا لائق تبصرہ نگار رد کر رہے ہیں۔ اس طرح کا موہم طرز ا
ذمہ دارانہ صحافت سے بعید ہی نہیں بعید تر ہے۔

ہندوستان کی زمین کے عشری ہونے کے متعلق خصوصی طور پر کتاب
والزکوۃ میں علحدہ بحث ہے۔ جس کا عنوان "ہندوستان کی زمین کا حکم
اور اسکے ذیل میں ہندوستان کی زمین کے عشری ہونے کے دلائل پیش
گئے ہیں۔ جن کے متعلق لائق تبصرہ نگار نے ایک حرف نہیں لکھا۔ ناظ
اس بحث کو کتاب العشر والزکوۃ میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۳) اسکے بعد لائق تبصرہ نگار ان حوالوں کی بحث کے خاتمہ پر یہ
فرماتے ہیں کہ

"ہمارے خیال میں اگر ہندوستان میں مسلمانوں کے موجودہ
حالات کا لحاظ کئے بغیر اسکو دار الحرب تسلیم کر لیا جائے تو اس
صورت میں کتاب الخراج کے ان اقتباسوں کا اطلاق اس ملک
پر نہ ہو سکے گا۔ بلکہ اس صورت میں فقہ حنفی کے اس جزیہ کو تسلیم
کرنا پڑیگا۔ "ارضہا لیست ارض خراج او عشر" یعنی اس کی زمین نہ

خراجی ہے نہ عشری۔ یا پھر وہ عارضی احکام ومسائل سامنے آئینگے جن کو فقہار نے باب استیلار الکفار کے تحت میں درج کیا ہے۔ (گ)

کتاب الخراج کے اقتباسوں کا حال معلوم ہوچکا ہے۔ نیز ارضہا لیست خراج او عشر، کا حال معلوم ہوچکا ہے۔ رہگئے " استیلار کفار" کے م۔ اسکے متعلق لائق تبصرہ نگار نے کچھ تحریر نہیں کیا کہ وہ کیا ہیں۔ شاید ان کا خیال ہو کہ دار الاسلام پر استیلار کفار کے بعد مسلمانوں کی زمین، عشری باقی نہیں رہتی ہے۔ تو ایسا نہیں ہے۔ درمختار میں جگہ باغیوں کے استیلار کی صورت میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کی زمین ی رہیگی۔ اسی جگہ کفار حربی کے استیلار کی صورت میں رد المحتار میں صریح ہے کہ استیلار کفار کی صورت حال میں بھی وہی حکم ہے جو باغیوں صورت میں ہے۔ یعنی عشری زمین کا عشری رہنا۔

درمختار میں باغیوں کے متعلق حکم یہ ہے کہ ایسی صورت میں کہ ظالم طین اور باغیوں نے اموال ظاہرہ جیسے عشر وخراج وغیرہ کو دوبارہ رنا لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر انہوں نے ان کے صحیح مصرف میں خرچ نہ تو ان پر عشر کا دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ یعنی باغیوں کے استیلار وقت میں مسلمانوں کی عشری زمین۔ عشری زمین کی حیثیت سے باقی ی ہے۔ اور ان پر عشر کی ادائیگی واجب رہتی ہے۔

رد المحتار میں استیلار کفار کے متعلق یہ لکھا ہے۔ کہ اگر حربی کفار

انوں نے وصول کرلیا۔ اور انھوں نے ان کو انکے صحیح مصرف میں خرچ کیا۔ تو عشر وخراج وغیرہ کو دوبارہ

دار الاسلام کے کسی شہر پر غالب آجائیں تو اسکا حکم باغیوں کے سے
کے حکم میں ہے۔

درمختار کی عبارت یہ ہے۔

اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوۃ الاموال الظاھرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابھا ان صرف الماخوذ فی محلہ الاتی ذکرہ والا یصرف فیہ فعلیھم فیما بینھم وبین اللہ اعادۃ غیر الخراج لانھم مصارفہ۔

(باب زکوۃ الغنم)

باغیوں اور ظالم بادشاہوں نے امو
ظاہرہ کی زکوۃ جیسے سائمہ جانور او
عشر۔ اور خراج وصول کر لیا۔ تو
ارباب اموال کو پھر دوبارہ دینا نہیں
پڑیگا۔ اگر ان کے اس محل میں صرف کیا گیا
جس کا ذکر آگے آنے والا ہے۔ اور اگر
اس محل میں صرف نہیں کیا گیا ہو تو خراج
کے سوا سب کو اپنے اور اپنے اللہ کے
درمیان دوبارہ دینا پڑیگا۔

ردالمحتار کے الفاظ یہ ہیں۔

ویظھر لی ان اھل الحرب لو غلبوا علی بلدۃ من بلادنا کذلک (〃)

میرے لئے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب
کے کافر اگر ہمارے شہروں میں سے کسی شہر پر
غلبہ پالیں۔ تو ان کا حکم یہی ہے۔

(۲) اسکے بعد لائق تبصرہ نگار نے دار الحرب کے متعلق یہ فتوی دیا ہے۔
"اسلام کے اصل اصول کے رو سے اس مقام کے مسلمانوں کے لئے

جو دار الاسلام سے دار الحرب ہو گیا ہو۔ صرف دو راستے ہو سکتے ہیں۔ یا تو وہ عسکری طاقت کے ذریعہ سے اس دار الکفر کو نئے سرے سے دار الاسلام بنائیں یا ترک سکونت کر کے ہمیشہ کیلئے وہاں سے ہجرت کر جائیں۔"

(۔۔۔ ۱۸۹)

یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ کتاب العشر والزکوۃ سے غیر متعلق ہم اسکے متعلق یہاں بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اسی طرح لائق تبصرہ نگار ہندوستانی مسلمانوں کے ہندوستان میں صورت قیام کے متعلق ۔۔ت حقوق کے بحث کی ہے۔ ہمیں ان سے بھی اس جگہ اسلئے قطع نظر ۔۔ہوں کہ یہ بھی کتاب العشر والزکوۃ کے مباحث سے غیر متعلق ہیں۔ ہاں اس بحث کے سلسلہ میں کتاب الخراج کے ان حوالوں کے متعلق ۔۔متعلق لائق تبصرہ نگار کو یہ اصرار ہے کہ "مذکورہ بالا عبارت موجودہ ۔۔وستان کے حال پر سرے سے منطبق ہی نہیں ہوتی"۔ اگر چند کلمات تنبیہہ کے ساتھ عرض کئے جائیں تو بیجا نہ ہوگا۔ کہ ان حوالوں کو ۔۔ب العشر والزکوۃ میں صرف اس مقصد کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے ۔۔ار الحرب ہونا وجوب عشر کے منافی نہیں ہے۔ ہندوستان کی زمین ۔۔عشری ہونے کے ثبوت میں علحدہ مستقل بحث ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ۔۔ں کیا جا چکا ہے۔

کتاب الخراج کے دو حوالے جو صفحہ ۴۷ اور صفحہ ۴۸ سے پیش کئے ۔۔ہیں۔ ابھی ابھی آپکے مطالعہ سے گذر چکے ہیں۔ اسی کے صفحہ ۱۰ پر

عشری زمین کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔

ارض العشر۔ کل ارض اسلم علیہا اھلھا فھی ارض عشر (کتاب الخراج للامام ابی یوسف)	عشری زمین۔ ہر وہ زمین کہ اسکے بـ نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ زمین عشـ زمین ہے۔

یہاں عشری زمین کی جو تعریف کی گئی ہے۔ یہ وہی تعریف ہے۔ جو اسـ دونوں حوالوں سے سمجھی جاتی ہے۔ ہاں پہلے کے دونوں حوالوں میں مثا دی گئی ہے۔ اور مثال میں مدینہ منورہ طائف اور یمن وغیرہ کا ذکر کیا گیا۔ یہاں مثال نہیں دی گئی ہے۔ مگر تعریف میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تعریف کا حاصل یہ ہے کہ بلا تخصیص عرب وعجم۔ جس جگہ کے باشنـ اسلام قبول کر لینگے۔ انکی زمین عشری ہو گی" اس میں نہ دار الحر کی قید ہے نہ دار الاسلام کی جسکے صاف معنی یہ ہیں کہ کوئی غیر مسلم دا میں ہے۔ اور وہیں اسلام قبول کرتا ہے۔ تو وہیں اسکی زمین عشر ہو گی۔ چاہے وہ زمین قبول اسلام سے پہلے عشری نہ ہو۔ بلکہ اسپر وہ ٹیکـ ہو جو حکومت کافرہ کی طرف سے عاید کیا گیا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ تعریف ہندوستان کے باشندد صادق نہیں آئیگی۔ اور کیا آج اگر کوئی غیر مسلم شخص اسلام قبول کرے تو اسکی زمین اسکے حق میں شرعاً عشری نہیں ہو گی؟

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کیسے انکار کیا جائیگا اور یہ کہا جائیگا کہ اس غیر مسلم کی زمین اسلام قبول کر لینے کے بعد عشری نہیں ہو گی۔ ا

جب انکار نہیں کیا جا سکتا ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑیگا کہ اسکی زمین عشری ہوگی اور جب اسکی زمین عشری ہوگی تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ مذکورہ بالا عبارتوں کی تعریف ہندوستان پر صادق آئی۔ اور ہندوستان کے حال پر منطبق ہوئی۔ کیونکہ ہندوستان عرب وعجم سے باہر نہیں ہے۔ اور یہ تعریف کلی طور پر بلا تخصیص عرب ہو یا عجم تمام روئے زمین کے لئے ہے۔ جیسا کہ کتاب الخراج کی سطر ۱۳ کی عبارت میں عرب اور عجم کی عمومیت "ہی من ارض العرب او عرض العجم" سے تصریح بھی ہے۔

مذکورہ بالا ان دونوں حوالوں سے جن میں مدینہ منورہ اور یمن وغیرہ کا مثالاً ذکر ہے کسی اہل علم کو یہ دھوکا نہ ہوگا کہ وہ تعریف کا جز ہے۔ کیونکہ مثال تعریف کا جز نہیں ہوا کرتی ہے۔ بلکہ فرد ہوتی ہے۔

بہرحال لائق تبصرہ نگار کا بار بار یہ اصرار کہ ان عبارتوں کا انطباق ہندوستان پر نہیں ہو سکتا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ بالکل کھلی ہوئی چیز ہے۔

عشری زمین کے متعلق حضرت تھانویؒ کا فتویٰ

موجودہ ہندوستان کے متعلق فاضل تبصرہ نگار آگے چل کر دوسرے مسئلہ کے ضمن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی اس تصریح کے ساتھ نقل کیا ہے۔

" ہندوستان کی زمینوں کے عشری وغیر عشری ہونے کی تحقیق

کے سلسلہ میں حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمتہ نے کمال اختصار وجامعیت سے عشری وخراجی ہونے کی تعین فرمائی ہے۔ وہ اس موقع پر نقل کیے جانے کے لائق ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"جو زمین اسوقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں۔ اور اُن کے پاس مسلمانوں ہی سے پہونچی ہیں۔ ارثاً او شراءً وہلم جرا وہ زمین عشری ہیں۔ اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا، وہ عشری نہ رہی۔ اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو۔ اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے۔ یہی سمجھا جائیگا۔ کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ بدلیل الاستصحاب۔ پس وہ عشری ہوگی۔ وقدر العشر معروف۔ (تتمہ امداد الفتاوی صفحہ ۵)

اس مختصر اصول سے ہر شخص اپنی زمین اور کاشت کے متعلق فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس میں عشر واجب الادا ہے۔ یا نہیں؟ اسلئے کسی احتیاط کی راہ کے اختیار کرنے کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔" (معارف ۴۲ء ۴ھ صہ ۱۹۱)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے فتوی میں جو کچھ ہے، کتاب العشر والزکوۃ میں اسی کی تفصیل ہے۔ اور سرِ مو اس سے فرق نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا نظریہ دار الکفر ہندوستان کے متعلق ہمارے نظریہ سے جداگانہ ہو۔ رہا احتیاط کا مسئلہ تو اس پر گفتگو دوسرے مسئلہ کے ماتحت آگے آتی ہے۔

بہر حال لائق تبصرہ نگار کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صدر کے فتوی کی بنا پر اس کا اقرار ہے کہ ہندوستان کی زمین عشری ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذلک

دوسرا مسئلہ

دوسرے مسئلہ کے متعلق فاضل تبصرہ نگار یہ لکھکر۔ کہ

"مصنف نے زکوۃ کی فرضیت دار الحرب، اور دار الاسلام میں یکساں دکھاکر ہندوستان کے مسلمانوں کی زمینوں کے عشری و خراجی ہونے کی مختلف شکلیں قائم کی ہیں۔ اور خراجی و عشری زمینوں کی تعین کر کے دکھایا ہے۔ کہ عشری زمینوں پر مسلمانوں کو عشر ادا کرنا چاہیئے۔ اور خراجی زمینوں پر عشر واجب الادا نہیں ہے۔

لیکن مسئلہ کو اصولی طور پر بیان کرنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو بہ تقاضائے احتیاط مشورہ دیا ہے کہ

مسلمانوں کو احتیاط کے مسلک پر تمام زمینوں کی پیداوار میں عشر نکالنا چاہیئے۔" (ص ۱۲۸)

پھر فرماتے ہیں۔

"دیگر ائمہ کے نزدیک مسلمانوں کی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ ..... اور اسلئے جہاں پر اپنے امام کے مسلک کے عملاً منافات نہ ہو۔ اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر ہے

کیونکہ ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے۔ (صفحہ ۱۳۰)

حسب ذیل اعتراض کیا ہے۔ اعتراض سے پہلے یہ ذہن نشیں رہے کہ کتاب العشر والزکوۃ میں دوسرے ائمہ کے مسلک کو بہ نظر احتیاط اختیار کرنے کے لئے یہ شرط ضروری قرار دی گئی ہے۔ کہ اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافات نہ ہو۔ اب لائق تبصرہ نگار کا اعتراض ملاحظہ ہو۔ آپ لکھتے ہیں۔

"مصنف کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ" ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کا عشر نکالنا گناہ نہیں ہے۔

لیکن اس شکل کے اس طور پر اختیار کرنے میں" عملاً منافات کا پایا جانا ضرور ہے۔ کسی مسلک کے اختیار اور اسپر عمل کرنے میں عمومیت کے ساتھ یہ نقطہ نظر قبول کر لینا کہ چونکہ گناہ نہیں ہے۔ اسلئے قابل عمل ہے صحیح نہ ہوگا۔ الخ (صفحہ ۱۹)

لائق تبصرہ نگار کی اس عبارت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو آپ یہ کہتے ہیں کہ" اس شکل کے اس طور پر اختیار کرنے میں عملاً منافات کا پایا جانا ضرور ہے" مگر اس دعوی پر فقہ حنفی کے رو سے کوئی دلیل نہیں بیان کی ہے۔ کہ کس طرح عملاً منافات کا پایا جانا ضرور ہے۔ صرف دعوی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور لائق تبصرہ نگار کی یہ وہ خصوصیت ہے جو ان کی پوری تحریر میں نمایاں ہے۔ اور اکثر جگہ ہمنے اسپر تنبیہ بھی کی ہے۔

دوسرے آپ یہ کہتے ہیں کہ "عمومیت کے ساتھ یہ نقطۂ نظر قبول کرلینا چونکہ گناہ نہیں ہے۔ اسلئے قابل عمل ہے۔ صحیح نہ ہوگا۔" یہ کتاب العشر والزکوۃ پر بیجا الزام ہے۔ کیونکہ وہ عمومیت کے ساتھ ہرگز دوسرے امام کے مسلک کو اس بنا پر اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیتی ہے کہ گناہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ پہلے یہ شرط ٹھہراتی ہے کہ اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ "اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافات نہ ہو۔" اور جب عملاً منافات نہ ہو۔ اور احتیاط بھی اس میں نظر آتا ہو۔ اور اس احتیاط کی بنا پر اسکو اختیار کیا جائے تو یہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس طرح پر احتیاط کی راہ اختیار کرنے میں گناہ بھی نہیں ہے۔ رہا یہ خاص مسئلہ کہ خراجی زمین کی پیداوار کے عشر ادا کرنے میں اپنے ائمہ حنفیہ کے مسلک سے منافات لازم آتا ہے۔ یا اپنے ائمہ حنفیہ کے نزدیک یہ گناہ ہے۔ تو اسکے متعلق تو لائق تبصرہ نگار کو بھی اعتراف ہے کہ "یہ ارشاد صحیح ہے کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کا عشر نکالنا گناہ نہیں ہے۔ رہا یہ کہ اپنے ائمہ حنفیہ کے مسلک سے عملاً منافات ہوتا ہے یا نہیں؟ تو میرے نزدیک عملاً کوئی منافات نہیں ہے۔ اور لائق تبصرہ نگار کے نزدیک عملاً منافات ہے۔ مگر اس پر فقہ حنفی کے رو سے کوئی دلیل نہیں بیان کی گئی ہے۔ بلکہ صرف دعوی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ہاں ایک دلچسپ بات اس خاص مسئلہ میں یہ ضرور ہے۔ کہ عملاً منافات لازم آنے کے ثبوت میں لائق تبصرہ نگار نے بجائے فقہ حنفی کے

فقہ حنبلی کی ایک کتاب "الافصاح عن معانی الصحاح" سے دلیل پیش کی ہے۔ اسکے متعلق گفتگو کرنے سے گفتگو نہیں کرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ ہم نہ حنبلی ہیں، نہ حنبلی کتابوں کے پابند ہیں۔

علاوہ بریں جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ اس سے عملاً منافات کے لزوم کا ثبوت بھی نہیں ہوتا ہے۔ الافصاح کی عبارت یہ ہے۔

واختلفوا هل يجتمع العشر والخراج فقال ابوحنيفة ليس في الخارج من ارض الخراج عشر۔ فقال مالك والشافعي واحمد ارض الخراج فيها العشر۔ (صن۹)	اور لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ ایا عشر وخراج یکجا ہو سکتے ہیں۔ تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔ کہ خراجی زمین میں خراج ادا کرنے والے پر عشر نہیں ہے۔ اور امام مالک شافعی، واحمد فرماتے ہیں کہ خراجی زمین میں بھی عشر ہے۔

فقال ابوحنيفة ليس في الخارج من ارض الخراج عشر کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔ یعنی اصل اصول یہ ہے کہ جو زمین خراجی ہے قانوناً اس زمین کے مالک پر خراج واجب ہے۔ اسکی پیداوار پر عشر واجب نہیں ہے۔

اور یہ کتاب العشر والزکوۃ کے خلاف اور منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اسکی تصریح تو خود کتاب العشر میں موجود ہے۔ اور لائق تبصرہ نگار کو بھی اعتراف ہے کہ کتاب العشر والزکوۃ میں

خراجی وعشری زمینوں کو تعین کرکے دکھایا ہے کہ عشری

زمین پر مسلمانوں کو عشر ادا کرنا چاہیئے۔ اور خراجی زمینوں پر عشر واجب الادا نہیں ہے۔ (معارف صنہ ۱۹)

کتاب العشر والزکوۃ میں اگر یہ ہوتا کہ خراجی زمینوں کی پیداوار پر عشر واجب ہے۔ تو البتہ امام صاحب کے اس قول کے منافی ہوتا جو الافصاح میں ہے۔ اور جب یہ نہیں ہے تو منافات بھی نہیں ہے۔

کتاب العشر والزکوۃ تو اصولاً خراجی زمین کے متعلق یہ کہتے ہوئے کہ خراجی زمینوں پر عشر واجب الادا نہیں ہے" بہ نظر احتیاط یہ مشورہ دیتی ہے کہ

" دیگر ائمہ کرام رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مسلمانوں کی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ اگرچہ خراجی ہی زمین کیوں نہ ہو۔ چنانچہ بہت سے صحابہ اور تابعین ارض عراق کے اندر خراجی زمین کے مالک تھے اور وہ خراج کے علاوہ عشر بھی دیتے تھے۔ اسی لئے جہاں پر اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافات نہ ہو اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے۔

(کتاب العشر والزکوۃ صنہ ۱۳)

اور الافصاح کی عبارت میں اس احتیاطی شکل کے متعلق کوئی حکم نہیں ہے کہ اس میں عملاً منافات ہے۔

اسی طرح عقود الجواہر الحنفیہ کی عبارت " لا یجمع علی مسلم عشر و خراج

فی ارض"۔ کسی مسلمان پر اسکی زمین میں عشر وخراج جمع نہیں ہو سکتے۔ یا فقہ حنبلی کی عبارت "منع ابو حنیفہ من الجمع بینہما" امام ابو حنیفہ نے ان دونوں (خراج وعشر) کو جمع کرنے کو منع کیا ہے۔ اس سے وجوبی صورت مراد ہے۔ نہ کہ احتیاطی صورت۔ کما لا یخفی۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک کا فتویٰ

دل سے عملی منافات کی خلش نکل جانے کے لئے اگر ہم اس جگہ یہ ذکر کردیں تو بیجا نہ ہوگا کہ ایسی صورت میں کہ

"بطور وجوب نہیں۔ بلکہ بطریق احتیاط خراجی زمین کی پیداوار کا عشر نکالنے میں فقہ حنفی کی کوئی تصریح اس امر پر نہیں ہے کہ اس میں اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافات ہے۔ اور نہ اپنے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کے عشر کی ادائیگی میں گناہ ہے۔ جس کا لائق تبصرہ نگار کو بھی اعتراف ہے"۔

اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافات نہیں ہونے پر ایک حنفی کیلئے حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بہت طمانیت بخش ہوگا کیونکہ یہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور اعیان حنفیہ میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ خراجی زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔ اور عملاً اپنی حنفیت کے لئے اسکو منافی نہیں سمجھتے تھے۔

کتاب الاموال لابی عبید میں ہے۔

وحدثني نعيم بن حماد قال سمعت عبد الله بن مبارك غير مرة يأمر اهل مروان بالعشر مع الخراج -

(رقم ۲۴۳ - ص۸۹)

نعیم بن حماد نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے بہت مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ سے سنا۔ وہ مروان کے لوگوں کو خراج کے ساتھ عشر کا حکم دیتے تھے۔

حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا حنفیہ میں کیا درجہ ہے؟
علامہ ابن عابدینؒ رد المحتار میں لکھتے ہیں۔

(قوله عبد الله ابن مبارك) الزاهد الفقيه المحدث احد الائمة جمع الفقه والادب والنحو واللغة والفصاحة والورع والعبادة صنف الكتب الكثيرة قال الذهبي هو احد اركان هذه الامة في العلم والحديث والزهد - واحد شيوخ الامام احمد - اخذ عن ابي حنيفة و له حدث في مواضع الخ (شامی جلد ۱ ص ۱۷ مطبوعہ)

عبد اللہ ابن مبارکؒ زاہد۔ فقیہ اور محدث ہیں۔ ائمہ حنفیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں عبادت۔ تقوی۔ فصاحت۔ لغت نحو۔ ادب۔ فقہ کے جامع ہیں۔ بہتیری کتابیں آپ نے تصنیف کی ہیں۔ علامہ ذہبی کا قول ہے کہ عبد اللہ ابن مبارک۔ علم حدیث اور زہد میں اس امت کے بڑے لوگوں میں سے ایک بڑے شخص ہیں۔ امام احمدؒ کے شیوخ میں سے ایک شیخ یہ بھی ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ اور بہت جگہ انکی تعریف کی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مبارک رح کے اس فتوی کے متعلق نہ تو یہ سوء ظن صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ ان کو امام ابو حنیفہ رح کا مسلک معلوم نہیں تھا۔ اور نہ یہ سوء ظن ہو سکتا ہے کہ اپنے امام کے مسلک سے منافی سمجھتے ہوئے بھی یہ فتوی وہ دیتے تھے۔ بلکہ یہ فتوی ان کا بہ تقاضائے احتیاط تھا۔ اور اس میں کوئی گناہ نہیں تھا۔

تیسرا مسئلہ

کتاب العشر والزکوۃ میں مصارف زکوۃ کے سلسلہ میں "اس باب کے ضروری مسائل" کے عنوان کے تحت نمبر ۶ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

(۶) کافروں کو زکوۃ۔ عشر۔ صدقہ فطر۔ کفارہ، نذر۔ کا مال دینا جائز نہیں۔ (ص۱۰۱)

فقہ حنفی میں زکوۃ عشر تو قطعاً کسی قسم کے کافر کو دینا جائز نہیں۔ صدقہ فطر۔ کفارہ۔ نذر۔ کا بعض کافر جیسے حربی۔ مستامن ان کو دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور بعض کافر جیسے ذمی ان کو دینا امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز۔ لیکن مفتی بہ مسئلہ ذمیوں کے متعلق بھی یہی ہے۔ کہ یہ پسندیدہ نہیں ہے۔

چنانچہ مبسوط میں ہے۔

وفقراء المسلمین احب الی	مسلمان فقراء میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہیں
لانہ ابعد عن الخلاف۔	ایک تو اسلئے کہ اس میں کسی فقیہ کا اختلاف
ولانھم یتقوون بھا علی الطاعۃ	نہیں ہے۔ دوسرے اسلئے کہ وہ اسکے ذریعہ

عبادۃ الرحمن۔ والذمی ... اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کے لئے
یتقوٰمن بہا علی عبادۃ ... قوت حاصل کرینگے۔ اور کافر ذمی اسکے ذریعہ
الشیطان۔ (صہ ۱۱۱/۲) ... شیطان کی عبادت پر قوت حاصل کریگا۔

پھر بعض صورتوں میں بعض کافر کو دینا حرام ہوتا ہے۔

ان مختلف حیثیات کی صورت میں فقہی اصطلاح میں ایسا لفظ جس
سے ایک ساتھ زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقہ۔ فطر۔ وغیرہ کو ہر طرح کے کافر کے دینے
سے متعلق حکم شرعی بیان کرنے کے لئے لایا جا سکے۔ وہ لفظ "لایجوز"
ہے۔ جس کا اردو ترجمہ "جائز نہیں" ہے۔ جو ایک طرف "حرام" پر
بھی اطلاق کیا جاتا ہے تو دوسری طرف ترک اولیٰ پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔
لایجوز کے معنی ایک جگہ شامی میں لکھا ہے۔

ان معناہ لایحرم بل ترکہ ... لایجوز کے معنی لایحرم ہے۔ بلکہ اسکے معنی
اولیٰ (مہ کتاب الصرف مصری) ... ترک اولیٰ ہیں۔

اسی طرح "یجوز" کا لفظ ہے۔ جو واجب سے لیکر مباح تک پر اطلاق
ہوتا ہے۔ شامی میں ہے۔

قد یقال اطلق الجائز ... کبھی کہا جاتا ہے کہ "جائز" کے لفظ کا اطلاق
وارادبہ مالعم المکروہ۔ ... کیا ہے۔ مگر اس "جائز" کے لفظ سے مراد لیا ہے۔
وفی الحلیۃ من اصول، ... اسکو جو مکروہ کو شامل ہے۔ ابن حاجب کے اصول
ابن حاجب۔ انہ قد یطلق ... سے "حلیہ" میں ہے۔ کہ کبھی لفظ "جائز" اطلاق
ویراد بہ مالا یمتنع شرعًا ... کیا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد ہوتی ہے وہ چیز جو شرعًا

وھو لیشمل المباح والمکروہ والمندوب والواجب۔ — ممتنع نہ ہو۔ اور یہ مباح۔ مکروہ۔ اور مندوب۔ اور واجب سب کو شامل ہوتا ہے۔

(ص ۸۹ ج ۱ مصری)

حاصل یہ کہ "لایجوز" جس کا اُردو ترجمہ "جائز نہیں ہے" یہ حرام پر بھی صادق آتا ہے۔ اور اسکو یہ کہنا صحیح ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح "مکروہ تحریمی" پر بھی صادق آتا ہے۔ اور اسکو یہ کہنا صحیح ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح "ترک اولی" پر بھی صادق آتا ہے۔ اور اس کو فقہی اصطلاح میں یہ کہنا صحیح ہے۔ کہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً شراب کے متعلق یہ کہا جائیگا کہ جائز نہیں ہے۔ تو اس سے حرام مراد ہوگی۔ یا یہ کہا جائے کہ حائضہ کے لئے طواف جائز نہیں تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہوگی۔ یا یہ کہا جائے کہ حشرات البیت جیسے سانپ، چوہا کا جوٹھا کھانا جائز نہیں۔ تو اس سے مکروہ تنزیہی، ترک اولی مراد ہوگی۔

بہر حال کتاب العشر والزکوۃ کا یہ مسئلہ اپنی تعبیر میں ہر طرح کے خدشات سے پاک ہے۔ اور فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کے موافق ہے۔ کیونکہ "لایجوز" کا ایک فرد ترک اولی بھی ہے۔ اور ذمی کافر جس کو صدقہ فطر دینا جائز کہا گیا ہے۔ وہ بمعنی مکروہ یعنی ناپسندیدہ کہا گیا ہے۔ اور مکروہ جائز کا بھی فرد ہوتا ہے۔ جیسا کہ شامی کے حوالہ سے معلوم ہوچکا ہے۔ اور ذمی کافر کو صدقہ فطر دینا اور اس کا فقہاء احناف کے نزدیک ناپسندیدہ ہونا، فقہ کا مفتی بہ مسئلہ ہے

جیسا کہ مبسوط سے معلوم ہو چکا ہے۔ اور اس کا اعتراف، لائق تبصرہ نگار کو بھی ہے۔

"البتہ ترجیح مسلمان فقراء کو دیتے ہیں۔ اور یہی فقہ حنفی کا مفتی بہ فتوی قرار پائیگا۔ (معارف اکتوبر ۴۲ء صـــ ۱۹۰)

بہر حال کتاب العشر والزکوۃ کے مذکورہ بالا مسئلہ کے متعلق لائق تبصرہ نگار نے یہ لکھا ہے۔

"مصارف زکوۃ کے ضمن میں بطور ضمیمہ[1] صدقہ فطر کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ فرماتے ہیں ــــ کافروں کو .... صدقہ فطر کا مال دینا جائز نہیں۔ (صـــ ۱۷۷)

اس عدم جواز کے فتوی پر لائق مصنف کو توجہ دلائی گئی۔ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ زکوۃ اور فطرہ میں اگر فرق ہے تو یہی کہ وہ کافروں کو نہیں دی جا سکتی۔ اور یہ کافروں کو دیا جا سکتا ہے۔ اسکے جواب میں موصوف نے تفصیل سے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ وہ فرماتے ہیں۔ (معارف ر صـــ ۱۹۳)

---

[1] نمبر ۶ کی عبارت جسکو لائق تبصرہ نگار نے نقل کیا ہے۔ یہ ضمیمہ میں نہیں ہے۔ بلکہ اصل کتاب میں ہے۔ پھر لفظ "صدقہ فطر" کے پہلے اور بعد کے الفاظ کو اس طرح حذف کر کے نقل کیا گیا ہے۔ کہ اس سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ صرف صدقہ فطر کے لئے یہ حکم ہے۔ ۱۲

اس کے بعد لائق تبصرہ نگار کے خط کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کو نقل کیا ہے۔ اور پھر اس پر بحث کی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ لائق تبصرہ نگار کا جب خط آیا تو کتاب العشر والزکوۃ، کی عبارت مذکورہ کے متعلق کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ نہ اس عبارت کا کوئی ذکر جواب میں آیا۔ نہ اس عبارت پر کسی طرح کی بحث کی گئی۔ کیونکہ اس پر کوئی اعتراض ہی وارد نہ ہوتا تھا۔ بلکہ لائق تبصرہ نگار کے خط کے اس عبارت پر جس میں بغیر تخصیص کسی کافر کے صدقہ فطر کے متعلق یہ فتوی بیان کیا گیا تھا کہ "کافروں کو دیا جا سکتا ہے" اس کے اطلاق کی طرف توجہ دلائی گئی۔ کہ یہ فرق صحیح نہیں ہے۔ کہ صدقہ فطر ہر طرح کے کافر کو دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے۔ اور اس کے متعلق بعض کتب فقہیہ کی عبارت کا حوالہ دیدیا گیا۔ اور صرف اس کے مفہوم کی طرف بغیر ترجمہ کے (جس کا لائق تبصرہ نگار کو بھی اعتراف ہے) اشارہ کر دیا گیا۔ نہ اپنی طرف سے کوئی تشریح کی گئی۔ نہ فقہا کے تمام اقوال کا استقصار کیا گیا۔ نہ ان کے درمیان محاکمہ کیا گیا۔

بہر حال لائق تبصرہ نگار کی یہ بحث چونکہ کتاب العشر

دالزکوۃ کی عبارت سے غیر متعلق ہے۔ اس لئے ہم اسکے متعلق اس استدراک میں کچھ بحث کرنا نہیں چاہتے۔ جہاں تک اس مسئلہ میں کتاب العشر والزکوۃ کا تعلق ہے اس کی عبارت ہر طرح کے اعتراض سے پاک ہے۔ اور اس کا مفہوم واضح ہے۔ اور فقہ حنفی کے مفتی بہ فتوی کے مطابق ہے۔

وما ہذا الا من فضل اللہ تعالی

تبصرہ کی آخری قسط پر استدراک کے قلمبند کرنے کے بعد ہم لائق تبصرہ نگار کی خدمت میں اور تو کچھ نہیں، لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ طویل تبصرہ، تبصرہ کی ذمہ داری کو سامنے رکھ کر نہیں کیا گیا۔ جس کے متعلق بجز اس کے اور کیا کہا جائے۔ ؎

طوفانِ اشک لانے سے اے چشم فائدہ؟
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں!

عبدالصمد رحمانی

کتاب العشر والزکوٰۃ

کتاب العشر والزکوٰۃ کو ملک میں جو قبول عام حاصل ہوا، اور علم کے دربار سے جو گراں قدر رائیں اس کو ملیں، اُن سب کے ملخص ذکر کی بھی یہاں گنجائش نہیں ہے چند رایوں کی تلخیص بلفظہٖ حسب ذیل ہے:-

مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی مسلمانان بہار کا حتمی فریضہ ہے کہ وہ امارت کی بقا و تقویت کے لئے اپنی مساعی وقف کردیں۔ اور اس کتاب کو حرز جان بناکر اس کے مضامین پر عمل کریں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب مرادآباد۔ احقر کی نظر میں یہ کتاب اپنے موضوع میں کامیاب ہے۔ مضامین کی تفصیل، دلائل کی قوت۔ اقوال فقہاء رحمہم اللہ اجمعین کا صحیح اندراج۔ پھر نتائج کا اخراج ایسی صفائی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بے اختیار زبان سے نکلتا ہے کہ "این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"۔

حضرت مولانا شاہ منت اللہ صاحب رحمانی سجادہ نشین خانقاہ مونگیر۔ زکوٰۃ و عشر کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی بحث ہے۔ اور اسکی قرآن حکیم، احادیث نبوی مستند کتب فقہیہ اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے تصدیق ہے، جو اہل علم کے انشراح صدر کا باعث ہے۔

حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی مجھ کو یقین ہے کہ مولانا نصوص۔ کتاب و سنت اور ائمہ مجتہدین کی تصریحات سے امام کے لئے زکوٰۃ اموال ظاہرہ و باطنہ اور عشر کے وصول کرنے کی ولایت شرعیہ کو استدلال سے ثابت کرنے میں سو فیصدی کامیاب ہیں۔ فللہ الحمد علی ذلک

کتاب ملنے کا پتہ

مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ (صوبہ بہار) قیمت للعہ

تاریخ امارت

مؤلفہ مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت امارت شرعیہ صوبہ بہار

"تاریخ امارت" اسلامی ہند کے سیاسی دور اور اس کے "انقلابی اور آئینی ماحول کے اثرات پر نہایت قیمتی تالیف ہے۔ ہندوستان دارالحرب کب ہوا؟ اسلامی ہند پر امارت شرعیہ کا فریضہ کب عاید ہوا؟ کس طرح عائد ہوا؟ اور اکابر امت، علماء کرام نے اس فریضہ کی ادائیگی میں کیا قربانیاں کیں؟ نظام امارت شرعیہ کا "لائحہ عمل" کیا ہے؟ تمام باتیں اس سلسلہ کی اس کتاب میں آگئی ہیں۔

مختصر یہ کہ "تاریخ امارت" ۱۸۰۳ء سے ۱۹۴۲ء تک کی اسلامی ہند کی اس انقلابی اور آئینی جد و جہد کی تاریخ ہے۔ جسکی بنیاد سراسر اسلامی مفاد اور کتاب و سنت کی روشنی میں، کتاب و سنت کے ابدی "نظام شرعی" کے احیاء کیلئے تھی۔ اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ

قیمت .... عمر/